البانی کی غلطیوں کے باوجود ان کی علمی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا،

نئے پھول ۔ مرتبہ جناب مجیب بستوی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، صفحات ۴۸، قیمت ۶؍ ۔ پتہ انجمن افکار ادب، سمریانواں بازار، ضلع بستی۔

جناب مجیب بستوی نے زیر نظر مجموعہ میں اپنے چند احباب شعرا کے کلام کے نمونے اور ان کا مختصر تعارف شائع کیا ہے، اس میں اکثر شعرائے بستی اور اس کے نواح کے اضلاع کے ہیں، اور زیادہ تر غیر معروف اور نومشق ہیں، طباعت بہت خراب ہے، اور قیمت زیادہ ہے۔

اردو قواعد حصہ اول : از اے وائی انصاری بی اے صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۸۰ قیمت عہ۵پ ۔ پتے (۱) کتب خانہ امدادیہ دیوبند، سہارنپور (۲) قومی کتاب گھر، دیوبند (یو۔پی)

اس کتابچہ میں اردو کے قاعدے مکالمہ کی صورت میں لکھے گئے ہیں، طلبہ کو اس خشک مضمون سے بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے، اس لیے ان کی دلچسپی اور آسانی کے لیے لائق مصنف نے سوال و جواب کے پیرایہ میں ضروری قواعد بیان کئے ہیں اور حروف تہجی، لفظ اسم ضمیر، صفت، فعل، حرف اور انکی قسموں نیز جملہ اور اس کے اجزا کی وضاحت بڑے دلچسپ انداز میں کی ہے اگر یہ مفید کتابچہ ابتدائی درجوں کے نصاب میں رکھا گیا تو امید ہے کہ بچوں کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

ض

جلد ۱۱۹ ماہ دسمبر ۱۹۷۶ء مطابق ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ عدد ۶

مضامین
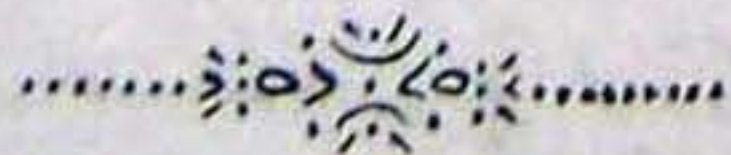
شذرات

آج کل ملک میں قومی دھارے کا ذکر برابر آتا ہے مگر اس کی وضاحت کی ضرورت ہے کہ اُس کی تشکیل کن اجزا سے ہوتی ہے؟ اُس کے لئے ذہن کیسے تیار کیا جا سکتا ہے؟ اُس کو فروغ دینے والے کون لوگ ہوں گے، اور وہ کون سے موثر ذرائع اختیار کریں گے؟

اس سلسلہ میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں، ملک کی سب سے موثر، طاقتور اور مقبول سیاسی جماعت کانگریس جو کچھ کہتی یا کرتی ہے، کیا وہی قومی دھارا ہے؟ غیر کانگریسی جماعتیں جو کہتی یا کرتی یا جو تحریکیں چلاتی ہیں کیا وہ قومی دھارے کی منافی ہیں؟ اس میں مذہب کا کیا رول ہونا چاہئے؟ کیا مذہب اس کے لئے مفید ہو سکتا ہے، یا یہ رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے؟ کچھ تاریخی شخصیتیں ایسی بھی ہیں جن کو ملک کا ایک طبقہ اپنا ہیرو مانتا ہے، مگر دوسرا طبقہ ایسا بھی ہے جو اُن کو ہیرو کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں، ایسے طبقہ کا کردار قومی دھارے کے سلسلہ میں کیا ہونا چاہئے؟ ملک کے بعض تہوار قومی سمجھے جاتے ہیں، کچھ گروہ ایسے بھی ہیں جو کسی تہوار کو بھی قومی تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں، ایسے لوگوں کو قومی دھارے میں کیا جگہ دی جا سکتی ہے؟

ملک کی تہذیب اور تمدن میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو مختلف علاقوں اور جماعتوں کے درمیان مشترک ہیں اور کچھ چیزیں غیر مشترک ہیں، جنکو اپنانے والوں کے ساتھ قومی دھارے کے حامیوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ اگر تہذیبی اور تمدنی عناصر بھی قومی دھارے کے ضروری اجزا ہیں تو ملک میں لباس، وضع قطع، کھانے پینے کے آداب اور معاشرتی رسوم وغیرہ میں جو نیرنگیاں نظر آتی ہیں کیا وہ قومی دھارے میں یکجہتی پیدا کرنے میں مفر تو نہیں کیا یورپی لباس، ہوٹلوں اور پارکوں میں یورپی تہذیب کی مختلف قسموں کے فاسقانہ اور عیاشانہ مظاہرے ہمارے قومی دھارے کی روایات کے مطابق ہیں، یا وہ ہمارے قومی ذہن اور مزاج کو برباد کرنے والے اجزا ہیں؟

قومی دھارے کے لئے خوشگوار اور تنومند ذہن کی نشو و نما کن ذرائع سے ہو سکتی ہے؟ فرقہ داریت، قومیت اور وطنیت کیا ہے؟ اُن کے تخیل کو روشن کرنے کی ضرورت ہے، کسی فرقہ کی اکثریت کسی مطالبہ میں متحد ہو جائے تو کیا اُس کا یہ اتحاد فرقہ واریت پر محمول ہوگا، یا اُس کو جائز قرار دیا جائے گا؟ ایک فرقہ کے متحدہ مطالبہ کو دوسرا فرقہ متحدہ طور پر رد کر دے تو ان میں کون قومی دھارے کا حامی اور کون مخالف سمجھا جائے گا؟ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ خدا کے احکام کا اطاعت گذار رہ کر وطن کا بھی فرمانبردار ہو سکتا ہے یا سچا ہندو اور سچا مسلمان ہی سچا اور اچھا محب وطن ہو سکتا ہے تو کیا وہ قومی دھارے کا حامی نہیں سمجھا جائے گا؟ یا کوئی یہ کہے کہ وہ پہلے ہندو یا مسلمان ہے، بعد میں ہندوستانی ہے تو کیا وہ قومی دھارے کے رُخ اور سمت کو غلط راستے کی طرف موڑ دینے والا سمجھا جائے گا؟ یا کوئی یہ کہے کہ پہلے ہندو یا مسلمان ہونے اور بعد میں ہندوستانی ہونے میں کوئی تضاد نہیں، وطن دشمنی نہیں تو کیا قومی دھارے کے مسلک کے لحاظ سے اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا؟ یا کوئی یہ کہے کہ جو ہندو یا مسلمان اپنے مذہب کا وفادار نہیں وہ وطن کا بھی وفادار نہیں ہو سکتا، تو کیا ایسا کہنے والا قومی دھارے میں انتشار پیدا کرنے والا تصور کیا جائیگا؟ یا کوئی یہ کہے کہ سیاست میں مذہب خلل نہیں ڈالتا بلکہ مذہب میں سیاست دخیل ہو جاتی ہے تو مذہب اور سیاست دونوں میں خلل پڑ جاتا ہے تو کیا ایسا دعویٰ کرنے والا قومی دھارے کو نقصان پہنچانے والا قرار دیا جائے گا؟

ان تمام سوالات کا بس ایک ہی جواب ہے کہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، تہذیبی اور تمدنی سرگرمیاں خواہ کیسی ہی ہوں، اگر ان میں وطن دوستی کی روح موجود ہے تو وہ عین قومی دھارے کے تقاضے کے مطابق ہیں، ہموطنوں میں مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور تمدنی اختلافات خواہ کتنے ہی ہوں اُن میں باہمی رواداری، دلجوئی،

نیک نیتی، فراخ دلی اور سیر چشمی کے دھارے بہتے رہیں تو اصل وطن دوستی یہی ہے، اگر اکثریت اقلیت کے دلوں کی تسخیر کرتی رہے، اور اقلیت اکثریت پر پورا اعتماد کرکے ان کے دلوں کو موہ لیتی رہے تو سچے معنوں میں یہی صحیح قومی دھارے ہیں، مگر دلوں کی یہ تسخیر سیاسی مصلحت اور وقتی ضرورت کی خاطر نہ ہو، بلکہ الفت و یگانگت کی مشک آگیں اور عنبریں فضا میں اس طرح ہو کہ دونوں یک باں ہو کر کہتے رہیں :-

ع :- وہ ہم سے جیتے ہم اُن سے ہارتے ہیں

ذہن کو مفلوج اور مرعوب کرکے کسی مسلک یا عقیدہ کو تسلیم کرانا کوئی مدبرانہ مآل اندیشی نہیں، اگر یہ صحیح ہے تو خود مقبول ہو کر رہے گا، اور کوئی اسے قبول کرنے سے گریز کرتا ہے تو وہ گویا مریضانہ ذہنیت میں مبتلا ہے جو مہر و محبت کے مؤثر علاج سے نہ کہ دل آزاری، آبرو شکنی، بیزاری اور خوں ریزی سے دور ہو سکتی ہے،

ان سطروں کے لکھتے وقت قومی یک جہتی کے ورکنگ گروپ نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے حصول کے لئے ایک نکاتی لائحہ عمل مرتب کرکے شائع کیا ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اقلیتوں کے معاملہ میں اکثریتی فرقہ کے رویہ میں مثبت تبدیلی ہونی چاہئے تاکہ اُن کے اندیشے دور ہوں، اور وہ قوم کے خاص دھارے میں شریک ہو سکیں، انتہا پسند عناصر کی گرفت توڑ دی جائے، سرکاری ملازمتوں میں اقلیتوں کو جگہ دلائی جائے، اکثریتی فرقوں کے کنٹرول کی صنعتوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اقلیتوں کو اپنے کارخانوں میں جگہ دیں، اقلیتوں کے خلاف کسی قسم کی تفریق برتی جائے تو اس پر سخت کارروائی ہو، قومی دھارے پر مہر و محبت کی یہ چاندنی جو چھٹکتی نظر آرہی ہے، وہ ملک کے تابناک مستقبل کے لئے نوید مسرت ہے، مگر تجویزوں سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے،

ع :- چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہے،

......

مقالات

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی

از پروفیسر سید حسن پٹنہ

افغانستان میں کابل سے تقریباً ساڑھے چھ سو کیلومیٹر شمال مشرق میں ایران کی سرحد کے نزدیک ہری رود ندی کے کنارے ہرات کا مشہور و معروف شہر واقع ہے جو قدیم زمانے میں تاجروں اور مسافروں کے قافلوں کی رہ گذر میں ایک مرکز اجتماع کی حیثیت رکھتا تھا، اسکندر رومی کے حملوں سے قبل اس مقام پر 'ارتکانا' نام کا ایک شہر آباد تھا، اسکندر نے اپنی فتوحات کے دوران میں کچھ دنوں تک یہاں توقف کیا اور یہاں ایک حصار بنوایا ہے، جس کے کچھ آثار شکستہ ہنوز باقی ہیں، یہاں کی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور صحت بخش اور فرحت افزا ہے، اس کے ارد گرد پھلوں کے باغات اور پھولوں کے چمنستان ہیں، چاروں طرف کوہستانوں کے سلسلے ہیں، جن کی وجہ سے نظر فروز و دلفریب قدرتی مناظر کی کثرت ہے، جب مسلمانوں نے اس علاقے کو فتح کیا تو یہ خراسان صوبے کے تین بڑے شہروں میں شمار ہونے لگا، عہد غزنوی میں سلطان محمود کا بیٹا مسعود غزنوی یہاں کا گورنر تھا، اور اس نے اپنے دور حکومت میں یہاں بہت سے باغ لگوائے اور شہر کی رونق میں اضافہ کیا، جب وہ باپ کے بعد تخت نشین ہوا تو اکثر ہرات کے سفر کو جاتا تھا، اسی کے زمانے سے یہ شہر اسلامی

علوم و فنون کا مرکز بننے لگا، اس مردم خیز شہر سے بڑے بڑے علماء و فضلاء، فقہاء، محدثین و مفسرین، شعراء و ادباء، اہل طریقت و ارباب شریعت، خطاط و مصور پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنی تالیفات و تصنیفات سے اسلامی ادب اور فرہنگ و ہنر کو مالا مال کر دیا ہے، یہاں اُن اہل کمال بزرگوں کے مقابر و مزارات اور ان سے منسوب تاریخی عمارات و مقامات کثرت سے ہیں جو عوام و خواص کے لیے قابل دید زیارت گاہیں ہیں۔

قدیم ہرات کے نامور بزرگوں میں شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ممتاز ترین درجہ رکھتے ہیں، ان کا شمار نوابغ روزگار اور نوادر نامداروں میں ہوتا ہے، انھیں لوگ پیر ہرات اور پیر انصار کے القاب سے بھی یاد کرتے ہیں، ان کے ہزار دیں سالِ ولادت کا جشن اپریل مئی کے مہینے میں شہر کابل میں بڑے شاندار طریقے پر منایا گیا، جس میں افغانستان اور بیرونی ممالک کے علماء و فضلا نے شرکت کی اور پیر ہرات کے احوال زندگانی و افکار و آثار کے بارے میں گرانقدر مقالے پیش کئے، راقم السطور نے بھی حکومت ہند کی طرف سے اس تقریب میں نمایندگی کی اور خراجِ عقیدت پیش کیا، اس موقع پر کابل کے علاوہ ہرات اور شہر قندوز کی جو روس کی سرحد کے پاس ہے، سیر بھی کی۔

شیخ الاسلام پیر انصار کی ولادت ہرات کے محلہ کہندز (حصار قدیم) میں دوسری شعبان روز جمعہ ۳۹۶ھ میں ہوئی تھی، حضرت جامیؒ نے نفحات الانس میں پیر ہرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "من ربیعی ام و در وقت بہار زادہ ام و بہار را سخت دوست دارم"۔ خواجہ عبداللہ کے والد کا نام ابو منصور تھا، اور ان کی کنیت ابو اسمٰعیل تھی، ان کا نسب کئی واسطوں سے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدر صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے ملتا ہے، ابو منصور پہلے بلخ میں بود و باش رکھتے تھے، پھر وہاں سے ہرات چلے آئے جہاں انھوں نے ایک عورت سے

شادی کی جس سے خواجہ عبداللہ انصاری متولد ہوئے، ابو منصور بڑے متقی و پرہیزگار تھے، بلخ میں انھوں نے ایک حنبلی بزرگ بنام ابو المظفر جبابی بن احمد کی شاگردی اختیار کی تھی، انھوں نے اپنے استاد سے جو کچھ سیکھا تھا اپنے لڑکے خواجہ عبداللہ کو بھی سکھایا، خواجہ عبداللہ ابھی خوردسال ہی تھے کہ ابو منصور اپنے زن و فرزند کو چھوڑ کر اپنے مرشد کے پاس بلخ چلے گئے جہاں سے پھر وہ کبھی ہرات واپس نہیں آئے، پدر کے سایۂ عاطفت سے محروم ہونے پر خواجہ عبداللہ کی سرپرستی و تربیت دو بزرگوں نے اپنے ذمے لے لی، ایک تو یحییٰ بن عمار شیبانی واعظ[1] اور دوسرے شیخ عمو[2]، ان دونوں بزرگوں نے بڑی توجہ و محبت سے خواجہ عبداللہ کی پرورش کی اور جب ان کا سن چار سال کا ہوا تو ایک درسگاہ میں تعلیم کے لیے بٹھائے گئے، جہاں ایک عورت بچوں کو پڑھاتی تھی، جب نو سال کے ہوئے تو قاضی ابو منصور ازدی (پورا نام محمد بن محمد بن عبداللہ ہروی) اور جارودی ہروی (پورا نام محمد بن احمد بن محمد الحافظ ابو الفضل جارودی) سے املا نویسی سیکھی،

---

[1] یحییٰ بن عمار شیبانی محدث تھے، انھوں نے حامد بن محمد رفاع و عبداللہ بن عادی صابونی اور انکے بھائی محمد و محمد بن جناح سے تعلیم حاصل کی تھی، انھوں نے بغداد میں ابو عبداللہ بن خفیف کو دیکھا تھا اور بن خفیف خود بغداد کے زنداں میں حسین بن منصور حلاج کی صحبت میں رہے تھے، ابن عمار ہرات کے اہل بدعت کے سخت مخالف تھے، وہ شاعر بھی تھے، انکے اشعار ابو الحسن باخرزی نے کتاب دمیۃ القصر میں نقل کیے ہیں۔ [2] شیخ عمو کا پورا نام احمد بن محمد الفضل ابو العباس نہاوندی تھا، وہ اس عہد کے ایک صوفی بزرگ جعفر خلدی کے شاگرد تھے، مگر منصور حلاج کے سخت مخالف تھے، نامور صوفیائے عہد سے ملاقات اور کسب فیض کے لیے سارے مشرقی اسلامی ملکوں کا سفر کیا تھا، انھوں نے نیشاپور میں شیخ ابو بکر فرا اور بخارا میں ابو بکر خالیزبان کی خدمت میں حاضری دی تھی، شیخ احمد نصر طالقانی کے ساتھ سفر حج بھی کیا تھا اور سارے مشائخ حرم سے ملاقاتیں کی تھیں، ہرات میں اپنی خانقاہ بھی قائم کی تھی جس میں بعض بزرگانِ عہد انکی ملاقات کو آتے تھے، اسی خانقاہ میں وہ خواجہ عبداللہ کو طریقت و معرفت کی تعلیم دیتے تھے۔

خواجہ عبداللہ انصاری بچپن ہی سے بہت ذکی و ذہین تھے اور قدرت نے انھیں غیر معمولی قوت حافظہ عطا کیا تھا، چنانچہ خود کہتے ہیں "حق سبحانہٗ و تعالیٰ حفظی عطا دادہ بود کہ ہرچہ در زیر قلم بگذشتی مرا حفظ شدی۔" (نفحات الانس جامی) ابتدائے تعلیم میں خواجہ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، بعد ازاں حدیث کی طرف توجہ کی اور ہزاروں حدیثیں اسناد کے ساتھ یاد کر لیں، اشعار عربی اور کلمات قصار سے بھی خاصی رغبت رکھتے تھے، چنانچہ عرب شاعروں کے ایک لاکھ اشعار انھیں یاد ہو گئے تھے،

ایک بار کسی نے قرآن مجید کی ایک آیت ان کے سامنے تلاوت کی تو انھوں نے چار سو اشعار عربی قبل از اسلام کے حافظہ سے سنا دیے، خواجہ عبداللہ پڑھنے لکھنے میں بڑی محنت کرتے تھے اور اپنے اوقات کو تقسیم کر کے برابر تعلیم میں مصروف رکھتے تھے، جامی نے نفحات الانس میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے:-

"روزگار خود را بخش کردہ بودم، چنانکہ مرا ہیچ فراغت نبودی تا پس نماز خفتن بر تہائے بودمی، بشب در چراغ حدیث می نوشتمی، فراغت نان خوردن نبودی، مادر من نان پارہ پی لقمہ کردہ بودی و در دہان من نہادی در میان نوشتن۔"

خواجہ عمار کے ایک رشتہ دار کا ایک لڑکا خواجہ عبداللہ انصاری کا ہم مکتب تھا، خواجہ عبداللہ فی البدیہہ شعر کہہ دیتے تھے، مکتب کے لڑکے ان سے جس مضمون پر شعر بنانے کو کہتے وہ فوراً کہہ کر سنا دیتے، اس لڑکے نے خواجہ انصار کی یہ صفت اپنے باپ سے بیان کی تو اسکے باپ نے اپنے بیٹے کو کہا کہ جب مکتب جاؤ تو خواجہ انصار سے اس شعر کو عربی شعر میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کرو ؎

روزی کہ بشادی گذرد روز جہانست
وآں روز دگر روز بد اندیشان است

جب اس لڑکے نے خواجہ انصار سے اسے عربی میں ترجمہ کرنے کو کہا تو انھوں نے فوراً

ترجمہ کر کے یہ شعر سنا دیا ؎

ویوم الفتی ما عاشہ فی مسرۃ
وسائرہ یوم الشقاء عصیب

دم الوصل ما دمت السعادۃ فالتجی
بعبیص عیش الاکرمین قریب

خواجہ انصار کی ذہانت طبع اور فارسی اشعار کے فی البدیہہ عربی میں ترجمہ کرنے کے اور بھی کئی واقعات ہیں جو بخوف طوالت درج نہیں کیے جاتے۔

جب خواجہ عبداللہ کی عمر ۴۱۰ھ میں چودہ سال کی ہوئی تو ان کی زندگی کا نیا باب شروع ہوا، بچپن کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اور شباب کے دور کا آغاز ہوا تھا، ان کے استاد اب انھیں طفل نو آموز نہیں سمجھتے تھے بلکہ انھیں اپنی مجلسوں میں اپنے قریب بٹھاتے تھے، اسی سال انکے استاد ابو منصور ازدی کا محرم کے ماہ میں انتقال ہو گیا، اور خواجہ عبداللہ نے مزید تحصیل علم حدیث کے لیے عبدالجبار جراحی سے مراجعت کی جو جامع ترمذی کا درس دیتے تھے، عبدالجبار جراحی اصلاً شہر مرو کے باشندے تھے لیکن ہرات میں سکونت اختیار کر لی تھی، انھوں نے علم حدیث ابو العباس محمد التاجر محبوبی (متوفی ۳۴۶ھ) سے پڑھی تھی، اور محبوبی خود ترمذی کے شاگرد تھے، خواجہ عبداللہ جامع ترمذی کے بڑے مداح تھے اور اسے صحیح بخاری و صحیح مسلم سے زیادہ کار آمد سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم صرف اُن لوگوں کے لیے مفید ہیں جو قبل ہی سے حدیث زیادہ جانتے ہوں، یعنی خود محدث ہوں لیکن جامع ترمذی میں احادیث کا بیان اور شرح اس طور سے ہے کہ فقہاء و محدثین کے علاوہ بھی عام محصلین کے لیے فائدہ مند ہے۔

خواجہ عبداللہ کا علم سے شوق و شغف اور صلاحیت و لیاقت و استعداد دیکھکر خواجہ یحییٰ ابن عمار نے جن کا اہل ہرات بہت احترام کرتے تھے قندز کے لوگوں سے کہا کہ

خواجہ عبداللہ کی نازبرداری کیا کرو، کیونکہ اس جوان سے امامت کی بو آتی ہے، خواجہ یحییٰ کی بات سن کر لوگوں کی ٹولیاں ان کی خدمت میں پہنچنے لگیں، اور ان کی شہرت ایک مفسر و محدث کی حیثیت سے دیار و امصار میں پھیلنے لگی۔

پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں شہر نیشاپور علم و معرفت کا بڑا مرکز تھا، ہرات کی طرح یہ شہر بھی تاجروں کے قافلوں کی راہ میں واقع تھا، لہٰذا اس کی اہمیت کے پیش نظر یہاں مکاتب و مدارس قائم ہوگئے تھے، جو دینی زندگی اور فکری حیات کے نشو و نما کے لیے بڑے موید و مددگار ثابت ہوئے، ابوبکر بستی (متوفی سنہ ۴۲۹ھ) واسترآبادی (متوفی سنہ ۴۴۰ھ) اور ابراہیم اسفراینی نے تدریس علوم دینی کے لیے مدرسے قائم کیے تھے، علامہ خطیب بغدادی نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں علامہ برقانی سے دریافت کیا تھا کہ تحصیلِ علم کے لیے مصر جاؤں یا نیشاپور، علامہ برقانی نے جواب دیا تھا کہ اگر مصر جاؤ گے تو وہاں ایک شخص کے سوا اور کسی کو نہ دیکھو گے، اور اگر اس سے ملاقات نہ ہوئی تو تمھارا سفر بیکار ہوگا، لیکن اگر نیشاپور جاؤ گے تو وہاں استادوں کی ایک جماعت پاؤ گے، اگر ایک استاد کی صحبت نصیب نہ ہوئی تو دوسرے کی صحبت ملے گی، خطیب بغدادی نے اس نصیحت پر عمل کیا، اور خراسان کا سفر اختیار کیا، نیشاپور کی اہمیت اس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے، چنانچہ حدیث و فقہ کی تحصیل، مشائخ سے ملاقات اور ان کی صحبت سے استفادہ کے لیے ۴۱۷ھ میں خواجہ عبداللہ نے نیشاپور کا سفر کیا، اور وہاں مختلف استادوں کی مجالسِ تدریس و تعلیم میں شرکت کی، دن کو جو کچھ سیکھتے تھے، رات کو بیدار رہ کر اسے لکھ لیتے تھے، طلبِ علم میں انھوں نے جو محنت صرف کی، اس کے متعلق جامی خود خواجہ کا قول نقل کرتے ہیں:۔

"آنچہ من کشیدہ ام در طلبِ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز کسی نکشیدہ، ہمہ یاران در سفر با بنظارہ باشندی بفراغت و من بہ حدیث نوشتن بودمی، ایشان گفتی چوں بہ ہرات رویم از نوشتہ بنویسیم"[1]

جس وقت خواجہ عبداللہ انصاری نیشاپور پہنچے تھے، وہاں بڑے بڑے علماء و فضلاء موجود تھے، جن میں سے بعض عالمِ پیری میں تھے، اور ان کے جانے کے چند سال بعد ہی فوت ہوگئے تھے، ان علماء میں ابوالحسن علی طرازی (ادیب و محدث)، ابونصر منصور المفسر، ابوالحسن احمد سلیطی جو علم صرف و نحو میں ماہر تھے، شیخ الاصم کے شاگردِ نامدار قاضی ابوبکر خیری، ابوالفتح قشیری (فقیہ) ابراہیم الاسفراینی، ابومحمد جوینی، شیخ الاسلام اسماعیل صابونی اور ابوالقاسم قشیری، خواجہ عبداللہ کا مقصد سفر علمائے حدیث، مشائخ اور صوفیہ کی صحبتوں میں شریک ہونا اور ان سے کسبِ علم معرفت و تحصیلِ حدیث تھا، اشاعرہ کے عقائد انھیں ناپسند تھے اس لیے انھوں نے بزرگانِ اشاعرہ کی صحبت سے اجتناب کیا، خواجہ انصار، شیخ عبداللہ ابن باکو شیرازی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور ان کی خانقاہ میں چندے توقف کیا، ابن باکویہ ایک نامور صوفی تھے، ممتاز مشائخ کی ملاقات کے لیے بہت سے شہروں کی مسافرت کی تھی، اور انھیں بزرگانِ زمانہ کے متعلق بہت سی حکایتیں معلوم تھیں، ابن باکویہ نے خواجہ عبداللہ کی پذیرائی بہت احترام سے کی اور انھیں احادیث کی تعلیم دی۔

چند مہینوں تک نیشاپور میں اقامت کرنے کے بعد خواجہ عبداللہ انصاری ہرات لوٹ آئے، اس کے بعد وہ پانچ سال تک ہرات میں خانقاہ شیخ عمو، یحییٰ بن عمار کے مجالس اور صوفیانِ حصار کی صحبت میں رہے، علم میں اضافہ کرتے رہے، شیخ عمو نے انھیں اپنی خانقاہ سپرد کردی تھی، جہاں وہ محدثین کے اجتماع میں تقریر کرتے اور جو کچھ انھوں نے نیشاپور میں سیکھا تھا

[1] یہ عبارت متداول نسخوں سے مختلف ہے شاید مضمون نگار کے پاس کوئی اور نسخہ ہو (معارف)

اسے بیان کرتے، رفتہ رفتہ وہ استادی و ارشاد کے درجے پر پہنچ رہے تھے، ان کا سلوک سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صوفیوں کی ہدایتوں کے مطابق تھا، ان کے رفقاء ان کی زیادہ سے زیادہ عزت و قدر کرنے لگے تھے۔

۴۲۱ھ (۱۰۳۰ء مسیحی) میں سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد ان کا بیٹا مسعود غزنوی جانشین ہوا، جب خلیفہ عباسی القادر باللہ کا قاصد اس سے بیعت لینے کے لیے آیا تو مسعود غزنوی نے بیعت نامہ دیکر چند توقعات کا اظہار کیا، ایک تو کہ جو علاقے اس کے زیر نگیں تھے، ان پر اس کا حق تسلیم کیا جائے، دوسرے یہ کہ اپنے قلمرو کی توسیع کرنے کا بھی حق مانا جائے، تیسرے یہ کہ آل بویہ کو جو مغرب ایران میں برسر اقتدار تھے یہ ہدایت کیجائے کہ وہ ماوراء النہر اور خراسان کے حاجیوں اور زائرین کے لیے راستہ کھول دیں، کیونکہ اس زمانے میں یہ راہ بہت غیر مامون ہو گئی تھی اور کوئی شخص یا قافلہ بغیر خطرہ مول لیے اس راہ سے نہیں گذر سکتا تھا، سلطان مسعود غزنوی مذہبی خیال کا آدمی تھا، اس معاملے میں اسے بڑی کد تھی کہ حجاج کو بیت اللہ شریف جانے کی سہولت حاصل ہو، خلیفہ عباسی نے پیام مسعود کی اہمیت محسوس کر کے آل بویہ کو فوراً مناسب ہدایت کر دی اور سلطان مسعود کو اطلاع دیدی کہ راہ حج کو پُر امن بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے، حجاج و زائرین کے قافلے روانہ کیے جائیں، چنانچہ سلطان مسعود نے فرمان جاری کیا کہ حاجیوں کے قافلے تیار کیے جائیں اور خواجہ علی میکائیل کو امیر الحاج مقرر کر دیا، جب یہ اطلاع ہرات پہنچی تو دیندار لوگوں کو بڑی مسرت ہوئی، لیکن سب سے زیادہ خوشی وہاں کے ایک ہشتاد سالہ ضعیف العمر شخص امام ابو الفضل ابن ابی سعد کو ہوئی جو شیخ الاسلام اسماعیل صابونی نیشاپوری کے خواہر زادہ اور اپنے وقت کے مرد پارسا، فقیہ، محدث اور واعظ تھے، وہ بہت دنوں سے حج بیت اللہ ادا کرنے کی تمنا رکھتے تھے،

لیکن اس سن و سال میں تنہا مسافرت کی زحمتوں کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے، اُن کی خواہش تھی کہ کوئی نیک کردار نوجوان ساتھ ہو، خواجہ عبداللہ انصاری کو جب ان کے ارادے اور خواہش کا علم ہوا تو وہ فوراً ان کا ساتھ دینے کو آمادہ ہو گئے، چنانچہ دونوں قافلۂ حجاج میں شامل ہو گئے، دس روز میں یہ قافلہ نیشاپور پہنچا، خواجہ عبداللہ کو دوبارہ اس شہر کو دیکھنے سے بہت خوشی ہوئی، علامہ اسمٰعیل صابونی نے اپنے ماموں کے اعزاز میں قافلہ کے چند اور لوگوں کے ساتھ ان دونوں کی ضیافت کی، اثنائے گفتگو میں خواجہ عبداللہ نے حدیث کے ایک سلسلۂ اسناد میں اشکال پر ایک عالمانہ تقریر کی جس کی علامہ صابونی نے تصدیق کی، اہل مجلس نے خواجہ عبداللہ کو مبارکباد دی۔

حاجیوں کا یہ قافلہ رے ہوتا ہوا ماہ ذیقعدہ (۴۲۳ھ) کے دوسرے ہفتے میں دار الخلافہ بغداد میں پہنچا، جہاں خلیفہ القادر باللہ کا تابوت کاخ خلافت سے مقبرۂ رصافہ کو پورے اعزاز کے ساتھ جلوس کے ساتھ لیجانے کی رسم ادا کی جا رہی تھی، اس رسم کو ادا کرنے میں کچھ عرصہ تاخیر قصداً کی گئی تھی کہ اہل خراسان بھی اس میں شرکت کر سکیں۔

ابھی یہ قافلہ بغداد ہی میں تھا کہ ایک پریشان کن خبر یہ پہنچی کہ حج کی راہ میں پانی نایاب ہے اور آذوقہ بہت گراں ہو گیا ہے، قافلہ والوں نے آگے کا سفر اس خبر کو سن کر ملتوی کر دیا، لیکن خلیفہ عباسی کو سلطان مسعود غزنوی کا پیام یاد تھا، اس نے زائرین کے لیے اسباب اطمینان فراہم کر کے اپنے خزانۂ خاص سے دو ہزار دینار اخراجات سفر کے واسطے سالار قافلہ علی ابن میکائیل کے حوالے کر دیا، قافلہ اب روانہ ہونے والا ہی تھا کہ بصرہ سے یہ خبر آئی کہ بصرہ کا قافلۂ حج جیسے ہی شہر سے نکل کر کچھ دور گیا تھا کہ بدویوں نے اس پر حملہ کر دیا اور مال و اسباب لوٹ لیا، زائرین کی جان بھی خطرے میں پڑ گئی تھی، اس اطلاع کے بعد قافلۂ خراسان نے اس سال

حجِ بیت اللہ کا ارادہ نا امنیتِ راہ کے سبب ترک کر دیا، اسی زمانے میں تمام دنیائے مشرق میں چیچک کی وبا پھیل گئی تھی، اور اس قدر جانیں تلف ہوئیں کہ صرف اصفہان میں چالیس ہزار آدمی مرگئے تھے، جب قافلۂ خراسان اپنے وطن کو واپس ہوا تو اس کے ہر فرد کو یہ فکر تھی کہ اس کے خاندان کے نہ معلوم کتنے آدمی فوت ہو چکے ہوں گے۔

دوسرے سال پھر ایک قافلہ ہرات سے حج بیت اللہ شریف کے لیے روانہ ہوا اور خواجہ عبد اللہ انصاری بھی اس میں شامل ہوئے، جب یہ قافلہ نیشاپور پہنچا، خواجہ انصار ابن باکویہ[1] کی خانقاہ میں اقامت گزیں ہوئے، شاید اسی خانقاہ میں ان کی ملاقات شیخ ابو سعید[2] ابن ابو الخیر سے ہوئی ہو گی، شاید انھوں ہی نے خواجہ ابو الحسن خرقانی کا حال ان سے بیان کیا ہو گا، جن سے کچھ عرصہ پہلے شیخ کا مناظرہ ہوا تھا جس کا ذکر تذکرۃ الاولیاء مولفہ عطار میں موجود ہے، خواجہ عبد اللہ نے دو بار شیخ ابو سعید کی خدمت میں حاضری دی۔

قافلۂ حج نیشاپور سے روانہ ہو کر بغیر کسی تکلیف و مصیبت کے رے پہنچا، لیکن اس سے آگے نہ جا سکا، کیونکہ اس کے آس پاس ترکمانوں نے تاخت و تاز مچا رکھی تھی، سلطان

---

[1] ابن باکویہ کا نام ابو عبد اللہ ابن باکویا ابن باکویہ جو بابا کوہی کے نام سے معروف ہیں، شیراز میں متولد ہوئے اور اس شہر میں ابن خفیف کی شاگردی اختیار کی، پھر نیشاپور آکر علامہ قشیری اور شیخ ابو سعید ابن ابو الخیر کی خدمت میں حاضر ہوئے، کئی سال کے بعد پھر وطن کو مراجعت کی اور کوہ غار میں مسکن گزیں ہوئے، ۴۲۸ھ میں وفات پائی، ۴۲۶ھ میں جب وہ نیشاپور میں مقیم تھے، انھوں نے کتاب بدایۃ حال حلاج و نہایۃ لکھی۔

[2] فضل اللہ ابو سعید ابن ابو الخیر ۳۵۷ھ میں میہنہ میں متولد ہوئے، علم تصوف کی تحصیل کے لیے مرو گئے جہاں انھوں نے ابو عبد اللہ حصری اور ابو بکر قفال کی خدمت میں حاضری دی، وہیں ابو الفضل حسن کے مرید ہوئے، پھر میہنہ آئے اور وہاں سے نیشاپور گئے، کچھ مدت کے بعد وطن واپس آئے اور یہیں ۴۴۰ھ میں انتقال کیا۔

مسعود غزنوی نے اُن کے خلاف کارروائی کی تھی، لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور قافلہ کو مجبوراً مشرق کی طرف مراجعت کرنا پڑی، خواجہ عبد اللہ انصاری اس پیش آمد سے بہت ملول تھے، لیکن انھوں نے یہ قصد کر لیا تھا کہ اس مسافرت سے کوئی فائدہ حاصل کریں گے، چنانچہ دامغان میں وہ ایک ہمسفر کے ساتھ ٹھہر گئے، یہاں انھوں نے ایک نامور مرشد روحانی شیخ محمد قصاب آملی سے ملاقات کی، لیکن اس سفر میں وہ سب سے زیادہ جس واقعہ سے اثر پذیر ہوئے وہ شیخ ابو الحسن خرقانی کی ملاقات تھی، اگرچہ دونوں کے درمیان صحبت کا موقع مختصر سہی ملا، لیکن خواجہ عبد اللہ شیخ کی صحبت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ خود بیان کرتے ہیں:۔

"اگر من خرقانی را نمی دیدمی حقیقت ندانستمی، ہموارہ این بآں می آمیختمی یعنی نفس با حقیقت ۔۔۔۔ وی پیر من است، بریک سخن گفت: اینکہ می خوردمی خیید چیزے دیگر است، مرابہ وی بس از ین ہیچ چیز نماند کہ علم حقیقت مرا دیدہ ور دانستہ شد۔" (نفحات الانس جامی)

خواجہ عبد اللہ نے جب شیخ خرقانی سے ملاقات کی تو موخر الذکر بہت ضعیف ہو چکے تھے، چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد ہی دنیا سے رخصت ہو گئے (۴۲۵ھ) اور اس وقت ان کی عمر تقریباً اسی ۸۰ سال کی تھی، جس چیز نے خواجہ انصار کو ان کی صحبت سے بہت زیادہ متاثر کیا اور ان میں شور و وجد کی کیفیت پیدا کی وہ یہ تھی کہ خرقانی نے ایک نگاہ میں خواجہ کے اعماقِ قلب کو پہچان لیا تھا اور ان سوالوں کے جواب دیدیے تھے جنھیں خواجہ لب پر بھی نہیں لائے تھے،

خواجہ انصار نے شیخ خرقانی کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے کہ خرقانی کا دیدار صرف انھیں اربابِ سلوک کے لیے سود مند ہے جنھوں نے طریقت کے چند منازل طے کر لیے ہیں، اور جو لوگ تازہ مرید ہوئے ہیں ان کے لیے بہتر ہے کہ شیخ محمد قصاب آملی کی صحبت سے اکتساب فیض کریں، شیخ خرقانی کی صحبت نے جو تاثیر خواجہ انصار کے قلب پر پیدا کی اسکا اظہار خود خواجہ کے اس قول سے ہوتا ہے:

"عبداللہ (شیخ ہرات) مردی بود بیابانی، میرفت بہ طلب آب زندگانی، ناخود آگاہ رسید بہ ابوالحسن خرقانی، چنداں کشید آب زندگانی کہ نہ عبداللہ ماند و نہ خرقانی۔" (ریاض العارفین)

شیخ ابوالحسن خرقانی سے رخصت ہو کر پیر ہرات اپنے شہر کو واپس آئے لیکن ایک بات کا انھیں افسوس تھا کہ رے[1] میں ناساعد حالات کی وجہ سے شیخ ابوحاتم ابن خاموش سے ملاقات نہیں کر سکے تھے، اس رنج کو مٹانے کے لیے انھوں نے پھر رے کا سفر کیا، جب شہر کے نزدیک پہنچے تو راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو اسی شہر کا باشندہ تھا، اس نے خواجہ ہرات سے ان کا مذہب دریافت کیا، خواجہ نے جواب دیا کہ میں حنبلی ہوں۔ اس نے کہا کہ میں نے اس مذہب کا نام آج تک نہیں سنا تھا، تم ضرور بدعتی ہو، یہ کہہ کر ان کا کپڑا پکڑ لیا اور بولا جب تک میں تمھیں شیخ ابوحاتم کے پاس نہیں لیجاؤں گا تمھیں نہیں چھوڑوں گا، خواجہ نے کہا ضرور، میں نے انہی کے دیدار کے لیے سفر کی زحمت اٹھائی ہے، چنانچہ دونوں شیخ ابن خاموش کے پاس پہنچے جو اس وقت ایک بڑی مجلس میں درس دے رہے تھے، اس مرد نے شیخ کو حال کہہ سنایا، خواجہ انصار کی حیرت کی انتہا نہ رہی جبکہ شیخ نے جواب میں کہا:

"او را بہل، ہر کس حنبلی نباشد مسلمان نیست۔"

اس جملے سے شیخ کا مطلب یہ تھا کہ حنبلی قرآن و حدیث میں یقین واثق رکھتے ہیں اور انکے خلاف کوئی چیز ماننے کو بدعت سمجھتے ہیں، چونکہ ہر مسلمان کا قرآن و حدیث سے متمسک ہونا ضروری ہے، لہٰذا ہر مسلمان حنبلی ہے،

[1] ۴۲۰ھ میں سلطان محمود غزنوی نے رے فتح کیا تھا، اس وقت اس شہر میں باطنیوں، معتزلیوں اور دیگر ملحدین کی کثیر تعداد تھی، سلطان نے متعدد باطنیوں کو دار پر چڑھا دیا، معتزلیوں کو شہر بدر کر دیا، انکی حکمت و ستارہ شناسی کی کتابیں جلا دی گئیں، سلطان نے ابوحاتم کو شہر رے میں اس غرض سے متعین کیا تھا کہ وہ مسافروں اور اجنبیوں کے عقائد پر نگاہ رکھے تاکہ اس شہر میں ملحدین پھر نہ داخل ہو جائیں۔

خواجہ ہرات شیخ ابوحاتم کی پذیرائی سے بہت خوش ہوئے اور چند دن انکی خدمت میں رہ کر ہرات کی طرف واپس ہوئے، راہ میں ایک بار پھر نیشاپور میں اپنے دوست ابن باکویہ کے یہاں مقیم ہوئے اور اس موقع پر شیخ ابوسعید ابن ابوالخیر سے بھی ملاقات کی، ابن باکویہ نے خواجہ انصار کو مشورہ دیا کہ اب وہ اس لائق ہو گئے ہیں کہ ارشاد و ہدایت کا سلسلہ شروع کریں چنانچہ پیر ہرات نے اپنے دوست کے مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا، اور ہرات واپس آکر وعظ و تدریس کی مجلسیں قائم کیں، انھوں نے کتابوں کے مطالعے اور استادوں کی تعلیم سے علم و معرفت کا جو سرمایہ اکٹھا کیا تھا، بزرگانِ کبار اور مشائخِ نامدار کی صحبت و گفتار سے جو فیوض و برکات حاصل کیے تھے اور مسافرتوں میں تجربات و مشاہدات کے جو جواہر ریزے اپنے دامن میں سمیٹے تھے، ان سب کی روشنی میں تشنگانِ علم و معرفت کی سیرابی و رہنمائی کا کام اپنے ذمے لے لیا، ان کی مجلسیں شیخ عمو کی خانقاہ میں منعقد ہوتی تھیں، ابتدا میں ان مجالس میں شہر کا کی تعداد مختصر تھی لیکن جب ان کے اندازِ گفتگو اور طرزِ تعلیم کی شہرت پھیلنے لگی تو سامعین کا مجمع روز بروز بڑھنے لگا، ان کے سامعین میں ایک شخص اسمٰعیل چشتی تھے، جو خواجہ کی بڑی تعظیم و خدمت کرتے تھے، اسمٰعیل چشتی اپنے بڑے بھائی احمد چشتی کو جو پیر سال خوردہ تھے، خواجہ کے پاس لے آئے، احمد چشتی فرقۂ ملامتیاں سے تعلق رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود شریعت کے معاملے میں کسی قسم کی سستی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، خواجہ عبداللہ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے، اور جامی نے اس سلسلے میں ایک واقعہ نفحات الانس اور مناقب میں نقل کیا ہے، وہ یہ کہ ایک دن جب خواجہ عبداللہ بازار سے گذر رہے تھے، دیکھا کہ احمد چشتی اور بوسعید معلم مرید و مراد کی فضیلت کا مقابلہ کر رہے ہیں اور اس ضمن میں

مباحثہ و مناظرہ میں مشغول ہیں کہ ایسا سالک کو یہ لازم ہے کہ خود فعالانہ جستجو میں لگ جائے یا طلب و تلاش کو چھوڑ کر عطا کی امید میں رہے، جب دونوں نے خواجہ ہرات کو دیکھا تو بولے لو حاکم آگیا، متنازعہ فیہ مسئلے کو خواجہ سے بیان کیا، انھوں نے فی البدیہہ جواب دیا:

"لامرید ولا مراد، ولا خبر ولا استخبار، ولا حد ولا رسم. وھو الکل بالکل"

یعنی یہ کہ نہ مرید ہے نہ مراد، نہ خبر و نہ جستجوئے خبر، نہ حد و نہ رسم بلکہ سب خداوند تعالیٰ ہے اور بس۔

بوسعید معلم تو ناراض ہو کر وہاں سے چل دیا لیکن احمد چشتی خواجہ کے جواب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے پاؤں پر گر پڑے اور اس جوان کے تلووں سے اپنے سفید بال ملنے لگے، خواجہ انصار کے سوانح نگار، فرانسیسی پادری و اسکالر سرژ دی بورکوئی[۱] کا خیال ہے کہ خواجہ نے یہ بات اس لیے نہیں کہی کہ وہ وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھتے تھے، بلکہ ان کا مقصد دو صوفیوں کے مابین ایک بحث بے پایاں کا خاتمہ کرنا تھا، ان کے قول کا مفہوم یہ تھا کہ ہمارا مطلوب و معبود خداوند تعالیٰ ہے اور بس۔

۴۲۵ھ کے موسم سرما میں بناذان[۲] میں صوفیوں کی ایک انجمن منعقد ہوئی، خواجہ ہرات بھی اسمٰعیل چشتی کے ساتھ وہاں گئے، اس انجمن میں باسٹھ ۶۲ مشائخ جمع ہوئے تھے، ان میں سے ہر ایک کا سن پیر ہرات سے بیشتر تھا، ان سب میں پیر ہرات ہی کمسن و جوان تھے لیکن ان کی تقریر میں اتنی دلکشی تھی کہ سب کے سب ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور ان کی باتوں کو غور سے سنتے تھے، اس انجمن کے جلسے چالیس ۴۰ روز تک جاری رہے، ان [illegible] میں خواجہ رازِ حقیقت بیان کرتے تھے، وہ اسرار حقیقت جنھیں شیخ ابوالحسن خرقانی نے ان پر منکشف کیا تھا، انکے بیانات

---

۱ S. de Beaurecueil ۲ بناذان جسکا قدیم نام نوآبادان تھا اور آجکل جسے نوبادان کہتے ہیں تو ابھی ہرات کا ایک قریہ ہے جو ہرات سے تقریباً پندرہ ۱۵ کیلومیٹر دور مشرق میں واقع ہے۔

کا حاضرین پر یہ اثر ہوتا تھا کہ وہ حالتِ وجد میں رقص کرنے لگتے تھے، سماع کی ان مجلسوں میں خود خواجہ پر شوریدگی و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی لیکن خواجہ نے یہ محسوس کیا کہ بجائے اسکے کہ وہ عظمتِ ربّانی کی طرف متوجہ ہوں صوفیان مجلس زیادہ تر خواجہ کی حالتِ وجد و شوریدگی کے دلدادہ ہونے لگے ہیں، خواجہ اس خوف سے کہ مبادا ان سے ناخواستہ و نادانستہ طور پر شرک سرزد ہو جائے بہت محتاط ہو گئے اور بناذان سے جلد ہرات واپس آگئے، یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ خواجہ انصار سماع کے مخالف نہیں تھے، کیونکہ صوفیان بزرگ مثلاً ذوالنون مصری، شبلی سماع کو جائز سمجھتے تھے، البتہ خواجہ انصار نے سماع پر بہت سے قیود عائد کر دیے تھے تاکہ اس میں کوئی احتمالِ شرک کا نہ ہو۔

ہرات واپس آکر خواجہ عبداللہ پھر مجالس و محافل میں تذکیر و تدریس وارشاد و ہدایت میں مشغول ہو گئے، لیکن بناذان میں اقامت کے دوران میں انھوں نے صوفیانِ بزرگ کی شوریدگی کا جو حال دیکھا تھا اس کی وجہ سے ان کے دل میں تصوف کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا، اس لیے تعلیم طریقت کو ترک کر کے زیادہ توجہ تدریس حدیث کی طرف منعطف کر دی تھی، انھوں نے اپنے شاگردوں کو یہ ہدایت کی کہ منازلِ طریقت کو تدریجاً طے کرنا چاہیے کیونکہ راہ سلوک دراز و محنت طلب ہے۔

۴۳۰ھ میں اسمٰعیل و احمد چشتی نے خواجہ انصار کو چشت آنے کی دعوت دی، یہ قریہ ہرات سے ساٹھ روز کی راہ پر مشرق کی جانب واقع ہے، اور ان دنوں اہلِ تصوف کا ایک ممتاز مرکز تھا، وہاں شیخ ابو احمد ابدال اور ان کے فرزند ابو محمد کی زیارت و صحبت سے خواجہ کے دل میں بناذان کی ہیجان انگیز و پُرشور مسافرت میں صوفیوں کی طرف سے

جو گرہ پڑ گئی تھی اس کا مداوا ہو گیا، اور وہ چشت کے صوفیوں کے دیدار سے بہت خوش واپس
آئے خصوصاً ابو یوسف ابن محمد سمعان (متوفی ۴۵۹ھ) سے بہت متاثر تھے، اور اپنی
مجلسِ تدریس میں ان کی ستایش کرتے تھے۔

یہاں عہد خواجہ کے مذہبی ماحول اور سیاسی حالات کا تھوڑا سا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا
ہے، کیونکہ ان کی آیندہ زندگی کے واقعات ان سے بہت حد تک وابستہ ہیں۔

پیر ہرات کے زمانے میں باطنیوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں، معتزلہ اور اشاعرہ
بھی اپنے عقائد کی تبلیغ میں مصروف تھے، وہ جس طرح کلام اللہ اور احادیث نبویؐ کی تشریح
و تفہیم کرتے تھے اس سے دین اسلام سخت خطرے میں پڑ گیا تھا، ان کی تبلیغات و تالیفات سے
اسلامی روح پر ضرب کاری پڑ رہی تھی، ہرات میں ان اہل بدعت کا غلبہ بڑھتا ہی جا رہا تھا،
اوپر کی سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ جب سلطان مسعود غزنوی سریر سلطنت پر بیٹھا تو اس نے
ان بدعتیوں کے ساتھ برا سلوک کیا، جس سے خواجہ عبداللہ انصاری کو بہت اطمینان ہو گیا
تھا، کیونکہ وہ اہل بدعت کے سخت مخالف تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ معتزلیوں اور اشاعرہ
نے اپنی تعریفات اور تاویلات عقلی سے کلام مقدس کے غلط معنی نکالے ہیں، وہ مجالس و محافل
میں بدعتیوں کے خلاف تقریر کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے معتزلہ اور اشاعرہ ان سے بہت
ناراض ہو گئے تھے اور ان سے انتقام لینے کی فکر میں تھے، چنانچہ ۴۳۰ھ میں انھوں نے
سلطان مسعود غزنوی سے جب وہ مہم سلطنت کے سلسلے میں ہرات آیا ہوا تھا خواجہ انصار کے
خلاف یہ شکایت کی کہ وہ بت پرست ہیں، خداوند تعالیٰ کو اوصاف انسانی سے متصف
کرتے ہیں، سلطان نے خواجہ ہرات کو دربار میں طلب کیا اور ان سے پوچھا تم نے ہی یہ کہا ہے
کہ خدائے عزوجل آگ میں قدم رکھتے ہیں؟ خواجہ نے سلطان کو درازیٔ عمر کی دعا دے کر

جواب دیا "خدائے عزوجل کو آگ سے ضرر نہیں پہنچتا ہے اور نہ آگ اسے ضرر پہنچا سکتی ہے،
پیغمبر اسلامؐ خدائے عزوجل کے بارے میں غلط نہیں کہتے اور ان کی امت کے علما، جو کچھ
حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اس کی سند کلام اللہ سے دیتے ہیں،
اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کرتے"، خواجہ ہرات کے جواب سے سلطان کی تشفی ہو گئی اور
اس نے ان کو عزت و احترام کے ساتھ دربار سے رخصت کیا، اس طرح دشمنانِ خواجہ
کی پہلی کوشش ان کو نقصان پہنچانے کی ناکام ہو گئی۔

ادھر سلجوقیوں کے پے بہ پے تاخت و تاراج سے سلطنت غزنوی سخت مصیبت
میں مبتلا تھی، سلطان مسعود غزنوی کی مدافعانہ کارروائیوں کے باوجود سلجوقی تدریجاً
اپنا اثر و غلبہ سلطنت کے مختلف حصوں میں قائم کرتے جا رہے تھے، ایک ایک شہر و
قصبہ سلجوقیوں کے قبضے میں آتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ وہ ہرات میں بھی داخل ہو گئے،
سلجوقیوں کے ترکتاز سے تمام علاقوں میں قحط نمودار ہو گیا تھا، سلطان مسعود نے
سلجوقیوں کو یہ پیغام بھیجا کہ اس کے ہرات آنے تک لوٹ مار سے دست بردار رہیں، سلجوقیوں
نے سلطان کی تجویز منظور کر لی اور وہ ۴۳۰ھ میں ہرات پہنچا اور یہاں سے لشکریوں کو
آذوقہ و علف فراہم کرنے کے لیے اطراف میں روانہ کیا، سلطان نے ہرات میں تین ماہ
توقف کیا اور اس عرصے میں خوب عیش و نشاط کی محفل گرم کی، اسی زمانے میں اس نے خواجہ انصاری
کو دربار میں بلا کر ان کے اعتقادِ تجسیم کے بارے میں سوال کیا تھا، سلجوقیوں نے اپنی
سرگرمیاں پھر تیز کر دیں، ان کو روکنے کی جتنی تدبیریں کی گئیں، سب بے سود ثابت ہوئیں،
سلطنت غزنوی کا آخری دور آ چکا تھا، خود سلطان مسعود کی موت کے دن قریب آ چکے
تھے، وہ خراسان کو دوبارہ فتح کرنے کی فکر میں تھا، لیکن ماہ جمادی الاول ۴۳۲ھ میں

اس کے بھتیجوں نے اسے قتل کر ڈالا، اس کے بعد سے غزنویوں کی بساط سلطنت ہمیشہ کے لیے الٹ گئی۔

سلطنت غزنوی کے ضعف و زوال کے وقت ملک میں جو انتشار و خلفشار رونما ہوا اس کے اثر سے اہل ہرات بھی محفوظ نہ رہ سکے، آب و دانہ کی کمی و نایابی کی مصیبتوں میں وہ بھی مبتلا ہوئے، پہلی مرتبہ جب سلجوقی ہرات میں داخل ہوئے تو بعض بزرگان شہر نے ان کا مجبوراً خیر مقدم کیا تھا، جب سلطان مسعود غزنوی نے اس پر دوبارہ تسلط حاصل کیا تو ایسے لوگ جنھوں نے سلجوقیوں کا خیر مقدم کیا تھا، سلطان کے قہر و غضب کا شکار ہوئے، اگرچہ خواجہ عبد اللہ نے خود کو سیاست سے بالکل الگ تھلگ رکھا تھا، لیکن اپنے ہموطنوں کی مصیبتوں سے بہت آزردہ خاطر تھے، اُدھر ان کے دشمن بھی ان کے آزار کے درپے تھے، ان کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ ہرات کو مجالس میں تقریر کرنے سے روک دیا، اور شہر ہرات چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، یہ واقعہ ۴۳۳ھ میں رونما ہوا، خواجہ ہرات شکیوان چلے گئے، شکیوان توابع ہرات کا ایک قریہ ہے، دو سال اسی مقام پر مقیم ہو کر تصنیف و تالیف میں وقت صرف کیا، اس کے علاوہ کئی اور مقامات کی بھی مسافرت کی۔

(باقی)

یہود اور قرآن مجید

از ضیاء الدین اصلاحی

(۲)

انبیاء کی تکذیب اور قتل

یہود کی اصلاح و ہدایت کے لیے خدا نے بیشمار انبیاء مبعوث کیے مگر انھوں نے ان کی نافرمانی کی، خود حضرت موسیٰؑ کو بھی دق کرنے میں انھوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا، جب انھوں نے کہا کہ اللہ نے تم کو قربانی کا حکم دیا ہے تو انھوں نے سوالات کی بوچھار کر دی اور سخت لیت و لعل کے بعد اس کی تعمیل کے لیے آمادہ ہوئے[۱]، شام میں داخل ہونے اور بیت المقدس فتح کرنے کا حکم دیا تو نہایت دیدہ دلیری کیساتھ بولے "تو اور تیرا خدا جاکر لڑ بھڑ، ہم اپنی جانوں کو جوکھم میں نہ ڈالیں گے"[۲]، یہود کی ان دلآزار حرکتوں سے تنگ آکر ان کو کہنا پڑا:

یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ (صف: ۵)

اے میری قوم کے لوگو! کیوں مجھکو اذیتیں دیتے ہو درانحالیکہ تم جانتے ہو کہ میں تمھاری جانب اللہ کا رسول ہوکر آیا ہوں۔

مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ "تم ان کا رویہ نہ اختیار کرنا جنھوں نے حضرت موسیٰؑ کو اذیتیں اور تکلیفیں دیں[۳]"۔

---

(۱) بقرہ: ۷۱ (۲) مائدہ: ۲۱ تا ۲۴ (۳) احزاب: ۶۹

وہ حضرت موسیٰؑ پر بے چون وچرا ایمان لانے کے بجائے ان سے اس قسم کا گستاخانہ مطالبہ کرتے تھے کہ "اے موسیٰ ہم تم پر اُس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اللہ کو کھلم کھلا دیکھ لیں"[1]۔ ایک اور موقع پر بھی ان کے اس نامعقول مطالبہ کا ذکر کیا گیا ہے[2]۔

حضرت سموئیلؑ کے ساتھ بھی ان کی گستاخی اور شرارت کا سورۂ بقرہ میں ذکر ہے[3]، دوسرے انبیائے بنی اسرائیل کی نافرمانی اور تکذیب بلکہ بعض کو قتل کرنے کی بھی قرآن نے صراحت کی ہے، اور بڑے درد کے ساتھ کہا ہے:

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ (بقرہ: ۸۷)

تو کیا جب جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ باتیں لیکر آئیگا جو تمہاری خواہشوں کے خلاف ہوں گی تو تم تکبر کروگے سو تم نے ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے[4]

سورۂ مائدہ میں پھر ان کی اس افسوسناک روش کا ذکر ہے[4]، اسی جرم کی پاداش میں ان سے اللہ کی نعمت وہدایت بھی چھینی گئی اور وہ اس کے غیظ وغضب کا نشانہ بھی بنے[5]۔

انھوں نے ان مجددین ومصلحین کی جو انھیں نظام حق وعدل پر قائم رہنے کی دعوت دیتے تھے، مخالفت ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ قتل کی بھی کوشش کرتے تھے، فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم

بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے رہے ہیں جو عدل وانصاف کا حکم دیتے تھے ان کو ایک دردناک

---

۱ بقرہ: ۵۵ ۲ نساء: ۱۵۳ ۳ بقرہ: ۲۴۶ تا ۲۴۸ ۴ مائدہ: ۷۰ ۵ بقرہ: ۶۱

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (آل عمران: ۲۱) عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

قرآن مجید نے متعدد مواقع پر ان باتوں کو دہرایا ہے اور ان کے مظالم کے دلخراش واقعات بیان کیے ہیں[1]۔

عہد عتیق وجدید کے نوشتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہود کے ہاتھ انبیاء وصلحاء کے خون ناحق سے رنگے ہوئے ہیں، وہ حضرت زکریاؑ، یحییٰؑ، یرمیاہ اور یسعیاہ کے قتل اور حضرت عیسیٰؑ کے اقدام قتل کے مرتکب ہوئے، اس سلسلہ میں چند شہادتیں ملاحظہ ہوں:

"تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی ہے"۔ (یرمیاہ ۲: ۳۰)

"وہ نافرمان نکلے اور تجھ سے پھر گئے اور انھوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو نصیحت دیتے تھے کہ انھیں تیری طرف پھرا لائیں قتل کیا اور انھوں نے کاموں سے تجھے غصہ دلایا"۔ (نحمیاہ ۹: ۲۶)

انجیل میں ہے:-

"تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں ...... دیکھو میں نبیوں، داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں، ان میں سے بعض کو قتل کروگے اور صلیب پر چڑھاؤگے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے ماروگے اور شہر بشہر ستاتے پھروگے تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا، تم پر آئے، اے یروشلم اے یروشلم تو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ہیں انھیں سنگسار کرتی ہے"۔ (متی ۲۳: ۲۹، ۳۴ - لوقا ۱۲: ۳۴، ۳۵)

عدل وقسط کے علمبرداروں کے ساتھ انکا رویہ ملاحظہ ہو:-

"وہ اس سے کینہ رکھتے ہیں جو دروازہ پر سرزنش کرتا ہے اور وہ اس سے نفرت رکھتے ہیں

---

۱ کہف: ۹ تا ۱۷، بروج: ۴ تا ۸

جو حق بات کہتا ہے۔" (عموس ۵: ۱-۱۰)

انبیاء کے باب میں افراط و تفریط یہود افراط و تفریط میں مبتلا تھے، ایک طرف عقیدت میں غلو کا یہ حال تھا کہ حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا مانتے تھے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ اتنا گھٹا دیا تھا کہ وہ تمام انسانوں سے بھی کمتر نظر آتے تھے، وہ خدا کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتے تھے، اور حضرت موسیٰ کے سوا کسی اور نبی کو صاحب دعوت و شریعت نہیں سمجھتے تھے، علامہ شہرستانی فرماتے ہیں:-

"یہود کا خیال ہے کہ شریعت بس ایک ہی ہے اور اس کی ابتدا و انتہا دونوں حضرت موسیٰ پر کی گئی ہے، ان سے پہلے چند حدود و احکام نازل کیے گئے تھے...... اور ان کے بعد کوئی دوسری شریعت نہیں ہو سکتی۔"[1]

حضرت مسیح کو وہ سرے سے نبی ہی نہیں مانتے تھے بلکہ ان پر تورات میں تحریف کا الزام بھی عائد کرتے تھے، شہرستانی کا بیان ہے:-

"یہود حضرت مسیح کی اطاعت نہیں کرتے، ان کے نزدیک ان کی حیثیت صرف اس قدر تھی کہ وہ حضرت موسیٰ اور تورات کی اتباع کریں مگر انھوں نے اپنے منصب سے تجاوز کر کے تورات میں تغیر و تبدل کر دیا جیسے سنیچر کے بجائے اتوار کو مقدس دن قرار دیا، خنزیر کو جسے تورات نے حرام قرار دیا تھا، حلال کر دیا، اسی طرح ختنہ اور غسل کے متعلق بھی تورات کے احکام بدل دیے۔"[2]

ان کو نعوذ باللہ ساحر و کذاب اور ولد الزنا کہا اور انکی ماں کو بدچلن قرار دیا۔[3]

قرآن مجید نے ان کی افترا پردازی کی پرزور تردید کی اور حضرت مریم کی عفت و پاکدامنی کا اعلان کیا اور حضرت مسیح کے بارہ میں تصریح کی کہ وہ خدا کے مقدس رسول ہیں جو شریعت موسوی

[1] الملل والنحل ج ۲ ص ۴۹ [2] ایضاً ص ۴۸ [3] الکواب الصحیح ج ۱ ص ۲۲ و ۲۳

کی تجدید، تکمیل اور تطہیر کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔[1]

آخری نبی سیدنا محمد عربی علیہ الف الف تحیۃ کے ساتھ بھی یہود نے نافرمانی اور تکذیب کا یہی معاملہ کیا، حالانکہ آپ پر ایمان لانے کا ان سے پختہ عہد لیا گیا تھا،[2] وہ اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ اپنی چالبازیوں سے خاتم النبیین کے مشن کو ناکام بنا دیں گے لیکن اللہ نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ	جو لوگ اس رسول و نبی امی کی اتباع کرینگے
الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا	جسے وہ اپنے یہاں توراۃ و انجیل میں لکھا ہوا
عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ	پاتے ہیں، وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور
یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ	برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ	چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور خبیث چیزوں کو
وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ	حرام اور ان پر سے ان کا بوجھ اور بیڑیاں
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ	اتارتا ہے، سو جو لوگ اس پر ایمان لائے
كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اسکی عزت کی، اس کی مدد کی اور اس روشنی
بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا	کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتاری
النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ	گئی ہے تو یہی لوگ فلاح پانے والے
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اعراف: ۱۵۶ و ۱۵۷)	ہیں۔

بنی اسرائیل کے صحیفوں میں بھی نبی آخر الزماں کی واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں، انکے انبیاء نے ان کی آمد کی اس طرح بشارت دی تھی:-

"اور خداوند، تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے

[1] آل عمران: ۴۵ و ۴۸ تا ۵۰ [2] ایضاً: ۸۱ - ۸۲

میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھریو، اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا، میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کے کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔" (استثنا: باب ۱۸ : ۱۵، ۱۹)

"خدا سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔" (ایضاً ۳۳ : ۲)

"یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اس کے پاؤں سے جاتا رہے گا، جب تک کہ وہ نہ آیا جو بھیجا جانے والا ہے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہونگی۔" (پیدائش ۴۹ : ۱۰)

زبور میں ہے :-

"میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا، پس سارے لوگ ابدالآباد تیری ستائش کرینگے۔" (زبور ۴۵ : ۱۷)

یسعیاہ نبی فرماتے ہیں :-

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے، میں نے اپنی روح اس پر رکھی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا.... زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔" (یسعیاہ = ۴۲)

انجیل میں ہے :

"یسوع نے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا

وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا، یہ خداوند کی طرف سے ہوا، اور ہماری نظر میں عجیب ہے اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، مگر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔" (متی : ۲۱ - ۴۲ - ۴۴)

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے..... جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے، تو وہ میری گواہی دیگا۔" (یوحنا: ۱۴؛ ۱۵، ۲۶)

امام الانبیاء حضرت ابراہیمؑ نے بھی اس نبی اور امت مسلمہ کے ظہور کی خدا سے دعا کی تھی،[1] اس بنا پر نبی آخر الزماںؐ پر ایمان لانے کی سب سے زیادہ امید اہل کتاب سے تھی، اور وہ خود بھی آپؐ کی بعثت کے منتظر تھے، اور کفار و مشرکین سے کہتے تھے کہ "عنقریب خدا ایک نبی پیدا کرے گا، ہم اس کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں گے"، وہ خدا سے دعا کرتے تھے کہ "نبی امی کو بھیج تاکہ ہم اس کی پیروی کر کے ان کفار پر غلبہ حاصل کریں۔" قرآن میں ہے :

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ	اور وہ پہلے سے کافروں کے مقابلے میں
عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا (بقرہ : ۸۹)	فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے،

ابو العالیہؒ سے روایت ہے کہ یہود جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مشرکین پر فتح کی دعا کرتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ "خدایا اس نبی کو بھیج جسے ہم اپنے ہاں لکھا پاتے ہیں تاکہ مشرکین پر غالب آئیں اور انھیں قتل کریں"۔[2]

اسی لیے صلحائے اہل کتاب کے گروہ نے رسول اللہؐ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور جب

---

[1] بقرہ : ۱۲۸ [2] التوسل والوسیلہ ابن تیمیہ ص ۱۳۶ - ۱۳۷

اس کو آپؐ کی بعثت و دعوت کی خبر ہوئی تو اس نے ایمان لانے میں پیش قدمی کی، قرآن نے اس گروہ کی جگہ جگہ ستایش کی ہے، آپؐ پر جب پہلی بار وحی نازل ہوئی اور آپؐ پریشان ہوئے تو آپؐ کی غمگسار بیوی حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، انھوں نے آنحضورؐ کی باتیں سنکر فرمایا "یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آتا تھا، کاش مجھے آپ کا زمانہ ملتا تو میں آپ کی پوری مدد کرتا" حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو کہا "یہ اور حضرت موسیٰؑ کی وحی ایک ہی چراغ کا پرتو ہیں"[۱] خود مشرکین عرب میں سے بعض لوگوں کے ایمان لانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہود سے رسول اکرمؐ کا ذکر سنتے آئے تھے، عاصم بن عمر قتادہ انصاری سے روایت ہے کہ "خدا کی رحمت و ہدایت کے ساتھ منجملہ اور باتوں کے جس بات نے ہمیں اسلام کی طرف راغب کیا ایک یہ تھی کہ ہم مشرک اور بت پرست تھے، اور یہودی اہل کتاب ہم سے زیادہ علم والے تھے، ہم میں ان میں دشمنی چلی آتی تھی، جب کبھی ہم انھیں نیچا دکھاتے تو وہ ہم سے کہتے یاد رکھو ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا، وہ آتا ہے، ہم اس کے ساتھ ہوں گے اور تمھیں عاد و ثمود کی طرح قتل کر ڈالیں گے، یہ ہم ان سے اکثر سنا کرتے تھے، چنانچہ اللہ نے محمدؐ کو اپنا خاص رسول بنا کر بھیجا، اور آپ نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا، تو ہم نے فوراً لبیک کہا کیونکہ ہم جان گئے کہ یہودی ہمیں اسی نبی کے بل بوتے پر ڈرایا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے پیش قدمی کی اور ان پر ایمان لائے مگر خود انھوں نے اس کا انکار کر دیا"[۲]

لیکن یہ یہود اور اہل کتاب کا ایک قلیل گروہ تھا جس نے اللہ کے عہد و میثاق پر قائم رہ کر حق پسندی سے کام لیا، مگر ان کی اکثریت کا حال اس کے بالکل برعکس تھا،

۱؎ الجواب الصحیح ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۵ ۲؎ التوسل والوسیلہ ص ۱۳۷-۱۳۸

انھوں نے نبی موعود کے آنے کے بعد ضد، ہٹ دھرمی، حسد اور نسلی و خاندانی گھمنڈ کی بنا پر ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، وہ آپ پر ایمان لانے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراشتے اور عجیب و غریب شرطیں عائد کرتے، کہتے

اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ (آل عمران: ۱۸۳)	خدا نے ہمیں وصیت کی ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی نہ پیش کرے جس کو آگ کھا جائے۔

یہی نہیں کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا بلکہ خم ٹھونک کر آپ کے مقابلہ میں آگئے اور آپ کے مخالفت میں پورا زور لگا دیا، آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں کیں، قریش کے لیڈروں کو اکسایا اور انکی پیٹھ ٹھونکی، مختلف جنگوں پر ان کو آمادہ کرنے والے یہی لوگ تھے، خود مسلمانوں میں نفاق کی تخم ریزی کر کے منافقین کو آپ کے خلاف ورغلانے والے یہی لوگ تھے، غزوۂ بدر میں قریش کو اشتعال دلانے کا سہرا ان ہی کے سر ہے، بعض جنگوں مثلاً احد اور خندق میں تو وہ کھل کر میدان میں آگئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکین کے پوری طرح پشت پناہ بن گئے، غرض آپ کی اور مسلمانوں کی عداوت اور دلآزاری میں یہ لوگ مشرکین ہی کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر تھے، جیسا کہ قرآن نے جابجا صراحت کی ہے[۱]

خدا کی کتابوں کا انکار و تکذیب

یہود خدا کی کتابوں کے بھی منکر ہو گئے تھے اور اپنے صحیفہ تورات کے احکام و ہدایات کو بھی پس پشت ڈالکر اوہام و خرافات میں پڑ گئے تھے جس کی تفصیل سے

۱؎ ملاحظہ ہو مائدہ: ۸۲ و آل عمران: ۱۸۶

ذکر ہو چکا ہے، حالانکہ ان سے تورات پر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے کا اللہ نے عہد لیا تھا لیکن وہ اس عہد و پیمان سے منحرف ہو گئے اور اول روز ہی سے توراۃ کی تعلیم و ہدایت کی خلاف ورزی کرنے لگے تھے[1]، توراۃ میں بھی اس عہد کا ذکر ہے :-

"وہ پہاڑ کے نیچے آکھڑے ہوئے اور کوہ سینا پر زیر و بالا دھواں تھا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا اور شعلہ کا سا دھواں اس پر اٹھتا اور پہاڑ سراسر ہل گیا" (خروج ۱۹: ۱۷-۱۸)

اور اس میں عہد شکنی پر یہ سخت وعید بھی بیان ہوئی ہے :-

"اور جو کوئی اس شریعت کی سب باتوں پر قائم نہ رہے کہ ان پر عمل کرے اس پر لعنت، سب جماعت کہے آمین!" (استثنا ۲۷: ۲۶)

قرآن نے توراۃ کے انکار و تکذیب ہی کے سلسلہ میں یہود کی یہ مثال بیان کی ہے :-

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۭ وَاللّٰہُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (جمعہ: ۵)

ان لوگوں کی مثال جو توراۃ کے حامل بنائے گئے تھے مگر وہ اس کے متحمل نہ ہوئے اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہیں، جو لوگ خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، انکی کیا ہی بری مثال ہے، اور اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

سورۂ اعراف میں بھی ان لوگوں کی تورات سے روگردانی اور احکام الٰہی سے سرتابی کی ایک تمثیل بیان کی گئی ہے[2]۔

قرآن نے ان کے سب سے بڑے جرم قتل انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ واقعی ان کا توراۃ

[1] بقرہ: ۶۳ و ۶۴ [3] اعراف: ۱۷۵-۱۷۷

پر ایمان ہوتا تو وہ اس سنگین جرم کے مرتکب نہ ہوتے[1]، بڑی خرابی یہ تھی کہ ان کے پاس توراۃ کا کوئی صحیح اور مستند نسخہ باقی نہیں رہ گیا تھا، حضرت موسیٰؑ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں توراۃ کو مرتب کرا کے جس صندوق میں رکھوایا تھا[2]، وہ اور توراۃ کے تمام نسخے چھٹی صدی قبل مسیح میں اس وقت جل کر خاک ہو گئے تھے، جب بخت نصر نے بیت المقدس میں آگ لگا دی تھی، اس کے دو صدی بعد حضرت عزیرؑ نے بنی اسرائیل کے کاہنوں اور لاویوں کے ساتھ ملکر اور آسمانی الہام کی مدد سے اس کو پھر از سر نو مرتب کیا، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں توراۃ کے اصل الفاظ باقی نہیں رہے تھے، بلکہ یادداشت سے مفہوم لکھ لیا گیا تھا، مگر حوادث روزگار نے اس نسخہ کو بھی اپنی اصلی صورت پر باقی نہ رہنے دیا، سکندر اعظم کی عالمگیر فتوحات کے زمانہ میں جب یونانی علوم و فنون کی ترقی ہوئی تو ۲۸۰ ق م میں تورات کی تمام کتابیں یونانی زبان میں منتقل کر دی گئیں اور رفتہ رفتہ اصل عبرانی نسخہ کا رواج باقی نہ رہا اور اسکے بجائے یونانی ترجمہ اور اس کے ترجمے دنیا میں رائج ہو گئے، اس حالت میں توراۃ کی جو شکل رہ گئی تھی وہ بھی علمائے یہود کی تحریفات اور تصرفات کا برابر نشانہ بنی رہی، قرآن مجید نے مندرجۂ ذیل الفاظ میں ان کی اسی روش کا ذکر کیا ہے :

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (بقرہ: ۷۵)

کیا تم لوگوں کو امید ہے کہ یہ لوگ تمہاری بات مان لیں گے، درانحالیکہ ان میں سے ایک گروہ اللہ کے کلام کو سنتا رہا ہے پھر اسکو سمجھ لینے کے بعد اس کی تحریف کرتا رہا ہے اور وہ جانتے ہیں۔

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں :-

[1] بقرہ: ۹۱ [2] استثناء ۳۱: ۲۴-۲۷

"انھوں نے الفاظ کی لکھاوٹ اور صورت میں بھی تحریف و ترمیم کی تھی اور ان کی تاویل وتفسیر میں بھی"[1]

قرآن مجید نے یہود کی تحریفات کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں مثلاً

۱۔ وہ کتاب الٰہی میں بہت ساری باتوں کا اضافہ کر دیتے تھے، اور اس میں اپنے خود ساختہ احکام و قوانین اور من گھڑت اور طبع زاد فتوے شامل کر کے ان کو خدا کی جانب منسوب کرتے تھے، ارشاد الٰہی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (بقرہ: ۷۹)

پس خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے (طبع زاد) کتاب لکھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تھوڑی سی قیمت حاصل کرلیں، سو ان کے لیے ہلاکت ہے اس چیز کے سبب جو انکے ہاتھوں نے لکھی ہے اور اس چیز کی کے سبب جو وہ کماتے ہیں۔

قرآن نے ان کے الفاظ اور جملوں کے تلفظ میں توڑ مروڑ کا مقصد بھی یہی بتایا ہے کہ وہ لفظوں کی ادائیگی اور ان کے پڑھنے کا ایسا ڈھنگ اختیار کرتے تھے جن سے ان کا مطلب خبط اور خدا کے حکم کی اصل حقیقت و غایت گم ہو جاتی تھی، اس طرح جو باتیں خدا کی طرف سے نہیں ہوتی تھیں ان پر اس کے نام کا لیبل چسپاں کر دیتے تھے،

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ

اور بیشک ان میں ایک گروہ اپنی زبان کو کتاب الٰہی کے ساتھ توڑتا مروڑتا ہے تاکہ

[1] الملل والنحل جلد ۲

مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (آل عمران: ۷۸)

تم اس کو کتاب الٰہی کا حصہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب الٰہی کا حصہ نہیں ہے اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے اور وہ اللہ پر جان بوجھکر جھوٹ باندھتے ہیں۔

۲۔ اسی طرح وہ اپنی من مانی خواہشات کی تکمیل کے لیے

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (مائدہ: ۱۳)

وہ (توراۃ کے) کلمات کو ان کے مواقع سے ہٹاتے ہیں اور اس چیز کا ایک حصہ بھلا بیٹھے جس کی ان کو یاددہانی کی گئی تھی۔

وہ اپنے موافق احکام مان لیتے تھے لیکن جو بات مرضی کے خلاف ہوتی تھی اس سے روگردانی کرتے تھے،

يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا (مائدہ - ۴۱)

وہ کہتے اگر تمھارے معاملہ کا یہ فیصلہ ہو تو مان لینا اور اگر یہ نہ ہو تو اس سے احتراز کرنا

۳۔ وہ خدا کی کتاب میں تلبیس کر کے حق و باطل کو گڈمڈ کر دیتے تھے، قرآن نے اس نازیبا حرکت سے ان کو منع کیا اور فرمایا

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (بقرہ ۴۲)

جان بوجھ کر نہ حق کو چھپاؤ اور نہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرو۔

۴۔ ان کی کوشش تھی کہ توراۃ کی بہت سی باتوں کو چھپا دیں تاکہ لوگ ان سے واقف نہ ہوسکیں اور ان کی خلاف شریعت حرکتوں کا پردہ فاش نہ ہوسکے اور مسلمان انکے خلاف

حجت پیش کر سکیں ، ارشاد ربانی ہے :-

وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (بقرہ : ۷۶)

اور جب آپس میں ایک دوسرے سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں کہ وہ تمہارے رب کے پاس تم سے حجت کر سکیں

حالانکہ ان سے عہد لیا گیا تھا کہ کتمانِ حق سے پرہیز کریں، قرآن مجید نے اس عہد کو اس طرح یاد دلایا ہے

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (آل عمران : ۱۸۷)

اور یاد کرو جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم لوگوں کے سامنے کتاب کو کھول کر اچھی طرح بیان کرنا، اسے چھپانا مت تو انھوں نے اس کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے میں ایک حقیر قیمت لی، کیا ہی بری ہے وہ چیز جسے وہ لے رہے ہیں۔

رسول اللہ کی بعثت کے مقاصد میں یہ بھی تھا کہ :

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ (مائدہ : ۱۵)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول وہ بہت سی باتیں ظاہر کرنے کے لیے آگیا ہے جو تم کتاب کی چھپاتے ہو۔

سورۂ بقرہ میں قبلہ، حج اور قربانی وغیرہ کے سلسلہ کی بعض باتوں کے چھپانے کا ذکر کیا گیا ہے، (بقرہ : ۱۵۹)

قرآن نے ان پر آیات الٰہی کے اخفاء و کتمان کا جو الزام عائد کیا ہے، اسکی تائید عہد نامہ قدیم و جدید کے نوشتوں سے بھی ہوتی ہے، ملاحظہ ہو :-

"تو یہ باتیں اپنے بیٹوں اور پوتوں کو سکھلا۔" (استثناء : ۴ - ۹)

"اس لیے میری ان باتوں کو تم اپنے دل اور اپنی جان میں محفوظ رکھنا اور نشان کے طور پر ان کو اپنے ہاتھوں پر باندھنا اور وہ تمہاری پیشانی پر ٹیکوں کی مانند ہوں اور تم ان کو اپنے لڑکوں کو سکھانا اور تو گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور لیٹتے اور اٹھتے وقت ان ہی کا ذکر کیا کرنا اور تو ان کو اپنے گھر کی چوکھٹوں اور اپنے پھاٹکوں پر لکھا کرنا۔" (استثناء - ۱۱: ۱۸-۲۱)

زبور میں ہے :-

"اس نے ہمارے باپ دادوں کو حکم کیا کہ وہ اسے اپنی اولاد کو سکھلا دیں تا کہ آنے والی پشت میں وہ فرزند جو پیدا ہوں اسے سیکھیں اور وہ اٹھ کر اپنی اولاد کو سکھلا دیں۔" (زبور : ۷۸)

انجیل میں ہے :-

"اور جو کچھ میں تم سے اندھیرے میں کہتا ہوں، اجالے میں کہو اور جو کچھ تم کہتے ہو کوٹھے پر اس کی منادی کرو۔" (متی : ۱۰ - ۲۷)

یہود نے تورات کے حصے اور بخرے کر ڈالے تھے، اور جس حصے کو چاہتے مانتے اور ظاہر کرتے اور جس کو چاہتے مخفی رکھتے اور رد کر دیتے، خدا نے انکی اس روش کا بڑے درد کے ساتھ ذکر کیا ہے :

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (بقرہ : ۸۵)

کیا تم کتاب الٰہی کے کچھ حصوں کو مانتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔

انھوں نے توراۃ کو کتاب ہدایت اور دستور حیات بنانے کے بجائے طرح طرح سے نفع اندوزی کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ قرآن نے اس طرزِ عمل پر ان کو سرزنش کی (بقرہ : ۴۱)، آیات الٰہی سے

نفع اندوزی اور حق فروشی کی ممانعت کا ذکر عہد نامۂ جدید میں بھی ہے :-

"یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر کے گھر تباہ کر دیتے تھے۔" (ططیس ۱ : ۱۱)

جب ان کا اپنی کتاب توراۃ کے ساتھ یہ حال تھا تو وہ بھلا قرآن کو کیا خاطر میں لاتے، انھوں نے توراۃ میں تحریف و تلبیس اور اخفاء کا سارا کھیل اسی لیے تو کھیلا ہی تھا کہ قرآن اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر سکیں اور اس میں ان دونوں کے متعلق جو واضح پیشین گوئیاں ہیں ان کو نظر انداز کر سکیں،

قرآن نے جب توراۃ کے بعض احکام کی اصلاح و تکمیل کی یا ان کو بدل دیا جیسے بیت المقدس کے بجائے خانۂ کعبہ کو قبلہ قرار دیا، سنیچر کے بجائے جمعہ کو محترم دن بتایا اور کھانے پینے کی چیزوں کی تحلیل و تحریم میں یہود نے جو بے اعتدالیاں کر رکھی تھیں ان کو ٹھیک کرنے کے لیے وہ احکام دیے جو ملت ابراہیمی کے اندر تھے، تو یہود نے اس کو قرآن کی مخالفت اور اس سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کا ایک بہانہ بنا لیا، اور کہا کہ ایک طرف تو یہ نبی توراۃ کو خدا کی کتاب مانتا ہے اور دوسری طرف اس کے احکام میں تبدیلیاں کرتا ہے، اگر یہ واقعی نبی ہوتے اور ان پر سچ مچ خدا کا کلام اترتا تو ہماری شریعت کے احکام میں تبدیلی نہ کرتے، مشرکین بھی یہود کے اس رٹائے ہوئے سبق کو دہراتے، قرآن نے ان دونوں کی مشترکہ مخالفت کا ذکر یوں کیا ہے :-

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ	اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا	کو بدل دیتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ
اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ	وہ اتارتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ تم تو اپنے جی سے
لَا يَعْلَمُوْنَ (نحل : ۱۰۱)	گھڑ لینے والے ہو، بلکہ ان میں اکثر نہیں جانتے ہیں۔

قرآن سے بدظن کرنے کے لیے وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ان کو تو فلاں شخص سکھاتا اور بتاتا ہے۔ (نحل : ۱۰۳)

یہود توراۃ و انجیل کی تعلیمات کو فراموش کر کے گوناگوں اختلافات میں پڑ گئے تھے، اس لیے اللہ نے ان کے اختلافات کے تصفیہ اور حق و باطل میں امتیاز کے لیے قرآن مجید نازل کیا، مگر انھوں نے اس کی ناقدری کی اور اس سے روگرداں ہو گئے۔ (آل عمران : ۲۳)

وہ قرآن کی راہ ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت و گمراہی کا طریقہ اختیار کرتے اور مسلمانوں کو بھی راہ حق سے برگشتہ کرنا چاہتے تھے، (نساء : ۴۴) اسی جوش مخالفت میں وہ یہاں تک کہہ جاتے تھے کہ :

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ	اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری،
قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ	ان سے پوچھو وہ کتاب کس نے اتاری
جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى (انعام : ۹۱)	تھی جس کو موسیٰ لائے تھے،

وہ وحی الٰہی کو اپنی اجارہ داری سمجھتے تھے، اس لیے جب ان کے نسل و خاندان کے بجائے عربوں (بنی اسمٰعیل) کو خدا نے اپنی کتاب و شریعت سے نوازا تو ان کو بڑی ناگواری ہوئی اور وہ غصہ و عناد، رشک و حسد اور ضد و سرکشی کی بنا پر قرآن کا انکار کرنے لگے، قرآن نے ان کے اس عناد و سرکشی اور حسد کا مختلف آیتوں میں ذکر کیا ہے۔ (بقرہ : ۹۰ و نساء : ۵۳)

لیکن ان کے اندر کچھ صالح اور نیک فطرت بھی تھے، انکے سامنے جب قرآن مجید پیش کیا گیا تو سمجھ گئے کہ یہ خدا کی جانب سے اتارا ہوا کلام برحق ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ	جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو
یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ	اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے
(بقرہ : ۱۴۶)	بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

اس لیے انھوں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا، قرآن نے ان کی اس روش کی جابجا تعریف کی : (انعام : ۱۱۴، رعد : ۳۶، قصص : ۵۲ و ۵۳، بقرہ : ۱۲۱، آل عمران : ۱۱۳ و ۱۹۹، نساء : ۱۶۲)

اور ان کی واقفیت و شہادت کو مشرکین کے لیے سند کا درجہ دیا ہے، (شعراء: ۱۹۷) مگر یہ اہل کتاب کا ایک قلیل گروہ تھا، اور وہ بھی زیادہ تر نصاریٰ تھے، جن کے رویہ کی سورۂ مائدہ (۸۳) میں تعریف کی گئی ہے، ورنہ یہود کی اکثریت تو قرآن کی تکذیب و مخالفت میں نہایت سرگرم تھی، انکی قرآن بیزاری اور حق دشمنی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ ملائکہ خصوصاً حضرت جبرئیلؑ کے بھی مخالف ہو گئے تھے، حالانکہ وہ خدا کی مرضی سے وحی لاتے تھے (بقرہ: ۹۷ تا ۹۹)

یہود کی اس شدید مخالفت اور قرآن بیزاری کی وجہ سے ان پر اتمام حجت کے لیے اللہ نے ان کو پُر زور لفظوں میں ایمان بالقرآن کی دعوت دی (بقرہ: ۴۱)۔ سورہ بقرہ میں اصلاً انکو مخاطب کرکے قرآن اور پیغمبر آخر الزماںؐ پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی، اس نے یہ سخت دھمکی بھی دی ہے کہ اگر قرآن آجانے کے بعد بھی تم نے اپنا رویہ نہ بدلا اور اپنی اصلاح نہ کی تو تم کو سخت عبرتناک سزائیں دیجائیں گی، (نساء ۔ ۴۷)

نزول قرآن سے پہلے وہ دو بڑی تباہیوں کا شکار ہو چکے تھے (بنی اسرائیل) قرآن انکا نجات دہندہ بنکر آیا تھا، اگر وہ اس کی قدر کرتے تو اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں سے سرفراز کیے جاتے، مگر وہ قرآن کی مخالفت میں جوش و خروش کے ساتھ خود بھی منہمک رہے اور مشرکین و کفار قریش کی بھی پیٹھ ٹھونکتے رہے، ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑ گیا تھا اور ان کے دل اس طرح مقفل ہو گئے تھے کہ نہ قرآن کی دعوت و تذکیر سے ان کو کوئی تنبہ ہوا اور نہ اس کی وعیدیں اور تنبیہیں ان کو جھنجھوڑ سکیں اور وہ قبول ہدایت کی ساری صلاحیتوں سے محروم ہو گئے، انکے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے (بقرہ ۔ ۷۴)

آخرت | توحید، رسالت اور خدا کی کتابوں اور فرشتوں کی طرح وہ روز جزا پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، گذشتہ مباحث کے ذیل میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے، یہاں صرف چند

مزید آیتیں نقل کیجاتی ہیں، جن میں انکے ایمان بالآخرۃ کی صراحت سے نفی کی گئی ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (توبہ: ۲۹)	ان اہل کتاب سے جنگ کرو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

دوسری جگہ ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (ممتحنہ: ۱۳)	اے ایمان والو اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے، یہ آخرت سے اسی طرح ناامید ہیں جس طرح اہل قبور (کی حیات ف[illegible]) سے کفار مایوس ہیں۔

عبادات | ایمان و عقائد میں یہود کی جو خرابیاں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں ان سے ان کے عبادات و معاملات میں بھی فساد اور بگاڑ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ جب بنیاد ہی کج ہو تو عمارت کیسے سیدھی ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام آسمانی مذاہب کی طرح یہودی مذہب میں بھی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور قربانی وغیرہ تمام عبادتیں فرض تھیں[1]، لیکن انھوں نے یا تو ان عبادتوں کو سرے سے ترک کر دیا تھا یا ان کی اصل حقیقت و روح گم کر دی تھی اور انکی ظاہری صورتیں بگاڑ ڈالی تھیں اور ان کے اندر خدا کے احکام و ہدایات کے بجائے اپنی بدعات و خرافات شامل کر دی تھیں، یہاں نماز و زکوٰۃ کے متعلق یہود کا رویہ بیان کیا جاتا ہے۔

پہلے گذر چکا ہے کہ نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا ان سے عہد لیا گیا تھا مگر انھوں نے اس عہد کا کوئی خیال نہ رکھا اور خدا کے حکم سے روگردانی اختیار کی، ان کے اس طرز عمل کو اس طرح

---

[1] تفصیل کے لیے سیرت النبی جلد پنجم میں ان عبادات کا ذکر ملاحظہ ہو۔

بیان کیا گیا ہے:

وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ	تھوڑے آدمیوں کے سوا تم نے روگردانی کی
وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ (البقرہ: ۸۳)	اور تم منہ موڑنے والے ہی لوگ ہو۔

یہود کے نماز کو بالائے طاق رکھنے کا دوسری جگہ بھی ذکر ہے، سورہ مریم میں انبیائے صادقین کے ذکر کے بعد فرمایا:-

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا	ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف
الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ	ہوئے کہ انھوں نے نماز کو ضائع کیا اور
فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم: ۵۹)	خواہشات کی پیروی کی سو وہ گمراہی میں پڑیں گے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہود نے نماز کو بالکل ترک کر دیا تھا، غالباً اسی لیے ان کے صحیفے بھی اسکے حکم سے خالی ہیں، ان کے ایک فرقہ کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ان کو سرے سے اس کا حکم ہی نہیں دیا تھا۔ قرآن نے ان کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو توحید کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا دیا گیا تھا،

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا	بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا
فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ	کوئی معبود نہیں ہے، سو میری ہی عبادت
لِذِكْرِيْ (طٰہٰ: ۱۴)	کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو!

دوسری جگہ فرمایا:-

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ	اور ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی کی طرف
اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا	وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر

وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً	(مسجدیں) بناؤ اور اپنے گھروں کو
وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (یونس: ۸۷)	قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو۔

نماز کو ضائع کرنے کا یہ بھی مطلب ہے کہ انھوں نے اس کی اہمیت وحقیقت، خدا پرستانہ روح اور دوسری خصوصیات کو ختم کر کے اس کی شکل وصورت تک بگاڑ ڈالی تھی، اسی لیے قرآن نے جب ان کو اس کے از سر نو زندہ کرنے کا حکم دیا تو

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ: ۴۳)	اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے رکوع کو جو نماز کی روح اور ضروری رکن ہے، غائب کر دیا تھا[1]، اور جماعت کی پابندی بھی ترک کر دی تھی، اس لیے ان کے خواص اور زعما کو تاکید کی گئی کہ وہ عام لوگوں کے پہلو بہ پہلو نماز میں کھڑے ہوں اور مسجد کی حاضری اور جماعت میں شرکت کو کسر شان نہ سمجھیں۔

یہود کی نماز سے غفلت ولاپرواہی اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ ایسے موحدانہ عمل کو کھیل تماشا سمجھکر اس کی ہنسی اور مذاق اڑاتے تھے، اور اذان کی جو نماز کی دعوت اور توحید کا اقرار واعلان ہے، بھونڈی نقلیں اتارتے تھے۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ	اور جب تم نماز کے لیے منادی کرتے ہو تو یہ
اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا (المائدہ: ۵۸)	اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔

رہی زکوٰۃ تو اس کے بارہ میں بھی انھوں نے خدا کے عہد کو فراموش کر دیا تھا،

---

[1] صاحب تدبر قرآن نے مولانا حمید الدین فراہیؒ کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے۔

جس کی طرف قرآن نے ثم تولیتم الا قلیلاً منکم وانتم معرضون کہکر اشارہ کیا ہے

یہ صحیح ہے کہ یہود زکوٰۃ کے منکر نہ تھے[1]، تاہم ان کے مذہبی احکام کی فہرست میں اسکا برائے نام ہی ذکر رہ گیا تھا، اور ان کے علماء و کاہن صدقات و زکوٰۃ کو فقراء، و مساکین میں تقسیم کرنے کے بجائے خود ہی لے لیتے تھے، ان کی کتاب احبار میں پیداوار کے عشر، پہلوٹھی کے فدیے اور دوسری قربانیوں اور نذروں کو صرف کاہنوں کے لیے مخصوص کردیا گیا ہے، اس طرح زکوٰۃ کا مقصد فوت کر دیا گیا تھا، اور اس کے اصلی مستحق غرباء و مساکین کے بجائے علماء اور کاہن بن گئے تھے۔ (باقی)

۱؎ توراۃ کے جو احکام عشرہ پہلے نقل کیے گئے ہیں ان میں نماز کا تو ذکر نہیں ہے البتہ زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔

تذکرۃ المحدثین

(جلد اول و دوم)

اس کی پہلی جلد میں صحاح ستہ کے جلیل القدر مصنفین کے علاوہ دوسری صدی ہجری کے آخر سے چوتھی صدی کے اوائل تک کے تمام مشہور اور صاحب تصنیف محدثین کرام مثلاً امام مالک، امام ابوداؤد طیالسی، امام عبدالرزاق، امام دارمی، امام ابن حنبل، امام حمیدی، امام ابن خزیمہ اور امام ابوجعفر طحاوی وغیرہ کے حالات و سوانح اور انکی خدمات حدیث کی تفصیل ہے، قیمت: عہ ۱۳ ۲۵ پ

دوسری جلد میں چوتھی صدی سے آٹھویں صدی تک کے مشاہیر محدثین امام ابن حبان، امام طبرانی، امام دارقطنی، امام حاکم، امام بیہقی، ابن عبدالبر، ابوبکر خطیب، قاضی عیاض، امام بغوی، امام ابن اثیر، امام نووی، امام خطابی، خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ، امام زیلعی صاحب نصب الرایہ اور دوسرے صاحب تصنیف محدثین کے حالات اور کارناموں کا ذکر ہے۔

(مؤلفہ ضیاء الدین اصلاحی)

"منیجر"

نعت قدسی اور اس کی مقبولیت

از ڈاکٹر سمیع الدین احمدؒ، لکچرار شعبۂ فارسی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

فارسی کی چند معروف ترین نعتوں میں سے ایک نعت قدسی کی نسبت سے بیحد مقبول اور مشہور رہی ہے۔ اس نعت کا مطلع یہ ہے:۔

مرحبا سید مکی مدنی العربی — دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

متاخرین میں کئی شاعر ایسے گذرے ہیں جن کا تخلص قدسی تھا لیکن سب سے زیادہ شہرت اور امتیاز حاجی محمد جان قدسی مشہدی کو حاصل ہوا جو عہد دربار شاہجہانی کا ایک محترم اور ممتاز شاعر گذرا ہے، لہذا اگرچہ کوئی تحریری دلیل موجود نہیں لیکن قیاس یہی ہے کہ اس نسبت کا مرجع اسی قدسی مشہدی کو قرار دیا جائے جس کے نام اور شعری کارناموں سے شناسائی خاصی عام ہے۔

بہرحال (شاید پہلی بار) مرحوم شیخ محمد اکرم صاحب نے ارمغان پاک میں اس نعت کو حاجی محمد جان قدسی مشہدی کی تصنیف بتایا ہے، اور اس کے نمونۂ کلام میں شامل کیا ہے، اور اسی سلسلہ میں مندرجۂ ذیل اشعار درج کیے ہیں[1]:

مرحبا سید مکی مدنی العربی — دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

من بیدل بہ جمالِ تو عجب حیرانم — اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

۱؎ ملاحظہ ہو ارمغانِ پاک، ص ۱۴۸

چشمِ رحمت بکشا سوی من انداز نظر — اے قریشی لقب و ہاشمی و مطلبی

نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را — بہتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی[1]

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات — رحم فرما کہ ز حد میگذرد تشنہ لبی

نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم — زاں کہ نسبت بہ سگِ کوی تو شد بی ادبی

عاصیانیم، ز مانیکی اعمال مپرس — سوی ما روی شفاعت بکن از بی سببی

سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی — آمدہ سوی تو قدسی پئی درمان طلبی

اس صریح اور واضح نسبت کی موجودگی میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً پڑھے لکھے

اور باذوق حضرات اس نعت کا مصنف قدسی مشہدی ہی کو سمجھتے رہے ہوں گے اور

شاید اسی بنا پر صاحبِ ارمغان پاک نے بھی اس کو قدسی مشہدی کا کلام بتایا ہے لیکن

مندرجۂ ذیل اسباب اور قرائن کی روشنی میں اس شاعر کے نام کے ساتھ اس نعت کا انتساب

مشتبہ اور مشکوک ہے۔

اولاً یہ کہ عام طور سے قدسی کے دیوان یا کلیات کے متداول نسخوں میں یہ نعت

نہیں ملتی، اس سلسلہ میں راقم نے علی گڑھ، رام پور، بانکی پور اور حبیب گنج کے ذخیروں

کے کلیات و دواوین کا مطالعہ کیا لیکن یہ نعت ان میں دستیاب نہ ہو سکی، اس کے

علاوہ برٹش میوزیم، انڈیا آفس اور دوسرے ذخیروں کی کسی بھی فہرستِ مخطوطات میں

قدسی مشہدی کے ذکر اور اس کی شرح کلام کے تحت اس کا حوالہ نہیں ملتا۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگرچہ قدسی مشہدی نے چند مواقع پر نعتیہ اشعار کہے ہیں

لیکن مخصوص طریقے سے نعت کے موضوع پر ایک ہی نظم اس کے کلیات یا دیوان کے

---

[1] خمسہ نگاروں نے اکثر و بیشتر "بہتر" لکھا ہے۔

اکثر نسخوں میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ موجود ہے جس کے اشعار مع مطلع یہاں

پیش کیے جا رہے ہیں۔

ای بجائی رفتہ کانجا نیست جای جبرئیل — سر حکمت را تو جبریلی برای جبرئیل

گر خدا را جامعین می شدی، ہر دم برت — او دست می گفتم کہ می آید بجای جبرئیل

جبرئیل از درگہِ فیضت گدائی می کند — گرچہ بودند انبیاء، دائم گدای جبرئیل

آرزو در خاطرش بسیار می ماندی گرہ — گر نمی شد لطفِ تو مشکل کشای جبرئیل

می گذارد دیدۂ جبرئیل بر زینت نگہ — خود توئی معشوقِ جبرئیل و فدای جبرئیل

قدسی نے اپنی مثنوی ظفر نامہ (یا شاہجہاں نامہ) میں حمد و مناجات کے بعد نعتیہ اشعار

بعنوان "داستانِ نعت" لکھے ہیں جن کا آغاز یوں ہے:-

من و نعتِ احمد کہ روزِ نخست — شد ایمان نظمم بہ نعتش درست

اس کے علاوہ بھی بعض جگہوں پر نعتیہ اشعار اس نے کہے ہیں لیکن ان تمام باتوں کے

باوجود وہ بنیادی طور پر نعت گو شاعر کی حیثیت سے شہرت نہیں رکھتا، علاوہ بریں اگر

مندرجۂ بالا نعت کے اشعار کا موازنہ اکرام صاحب کی پیش کردہ مشہور نعت سے کیا جائے

تو اسلوب و انداز کا فرق بھی نظر آئے گا۔

قدسی مشہدی کی حیات، دواوین اور اس کی شاعری کے مطالعہ کے سلسلہ میں اس

مشہور نعت پر کہی ہوئی متعدد تضمینوں کے دو جداگانہ مجموعے "حدیثِ قدسی" اور

"صحیفۂ قدسی" کے نام سے راقم سطور کی نظر سے گذرے، یہ دونوں مجموعے علی گڑھ مسلم

یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری میں بالترتیب شمارہ ۸۰.۴۳۱/۸۹۱ اور شمارہ ۴۱ ح ق

۸۹۱/۴۳۱ کے تحت موجود ہیں، پہلے مجموعہ کے مرتب قاضی محمد عمر ہیں جنھوں نے

ش ۴۰ ص

۱۲۷۲ھ میں اس مشہور و معروف نظم پر مختلف شعراء کے کہے ہوئے خمسے جمع کیے اور پھر یہ مجموعہ (حدیث قدسی) مطبع مصطفائی کانپور میں بہ اہتمام بدیع الزماں چھپ کر شائع ہوا، دوسرا مجموعہ بنام 'صحیفۂ قدسی' حاجی سید شمشیر علی (باشندۂ قدیم قصبہ گوہانہ ضلع رہتک، حال مقیم دہلی) نے ۱۳۰۳ھ (مطابق ۱۸۸۵ء) میں جمع کرنا شروع کیا جو ۱۳۰۴ھ (مطابق ۱۸۸۶-۸۷ء) میں محمود المطابع دہلی میں چھپکر منظر عام پر آیا، حدیث قدسی کے مرتب نے کہیں اس بات کا اشارہ نہیں کیا کہ یہ تضمینیں کس شاعر کی نعت پر ہیں، البتہ دیباچہ میں یہ بیان ملتا ہے:

"نکتہ شناسان دقیقہ یاب پر مخفی اور محتجب نہ رہے کہ اس حجز و زماں یعنی ۱۲۷۲ھ بارہ سو بہتر ہجری قدسی میں فقیر احقر قاضی محمد عمر کے خاطر میں اس اندیشہ نے خطور کیا اور فکر رسا نے اس کوچہ میں رہنمائی کی کہ اگر مخمسات غزل قدسی کہ جسکا مطلع یہ ہے:

مرحبا سید مکی مدنی العربی   دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

جس قدر دستیاب ہو سکیں جمع کر کے اس صورت سے یہ مجموعہ مرتب کیا جائے کہ ہر شاعر کے نام کے نیچے مختصر مختصر حال بھی اس کا مرقوم ہو تو البتہ لطف سے خالی نہ ہوگا....."

صحیفۂ قدسی کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے:-

("الحمد للہ کہ مجموعہ تضمین شعرای ہندوستان بر غزل حضرت مولانا محمد جان صاحب قدسی، مسمیٰ بہ صحیفہ قدسی........"

اسی مجموعہ کے اصل متن میں خمسوں کے آغاز سے پہلے بطور عنوان یہ عبارت ملتی ہے:-

"خمسہ بر غزل حضرت مولانا محمد جان صاحب تخلص قدسی مرحوم دہلوی"

چونکہ صحیفۂ قدسی میں پورے وثوق اور صراحت کے ساتھ اس نعت کو قدسی دہلوی کی تصنیف بتایا گیا ہے، لہذا اس وقیع شہادت کی بنیاد پر بہ آسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ نعت متداولہ حاجی محمد جان قدسی مشہدی کی نہیں بلکہ اسکے ہم نام کسی اور بزرگ شاعر مولانا محمد جان قدسی دہلوی کی تصنیف ہے اور شاید نام اور تخلص دونوں کی اس درجہ مماثلت اور یکسانیت کی وجہ سے اشتباہ ہو گیا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ نعت قدسی مشہدی کے نام سے جو یقیناً زیادہ مشہور اور متعارف شاعر تھا منسوب کر دی گئی،

اس مشہور نظم پر کہے ہوئے اکثر و بیشتر خمسے چونکہ انیسویں صدی کی تصانیف ہیں، لہذا بظاہر قدسی دہلوی اور تضمین نگاروں کے درمیان قرب زمانی بھی معلوم ہوتا ہے، ساتھ ہی ساتھ لفظ 'مرحوم' سے جو اس کے نام کے ساتھ شامل ہے، یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شاعر جس کا وطن دہلی تھا، انیسویں یا اٹھارویں صدی یعنی عہد متاخرین کا شاعر رہا ہوگا، اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ قدسی مشہدی کی غیر معمولی شہرت اور اس کے نام اور شاعری سے واقفیت اس درجہ عام تھی کہ پڑھے لکھے لوگوں کا دونوں کے ناموں کو خلط ملط کر دینا یا محض سہواً قدسی مشہدی کو قدسی دہلوی لکھ جانا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ بیشتر قدیم و جدید ماخذوں میں قدسی مشہدی کے نام کے شروع میں 'حاجی' کا لفظ ملتا ہے، لیکن صحیفۂ قدسی میں جس میں نعت گو شاعر کا نام دو بار چھپا ہے، مولانا کا لفظ درج ہے، نیز 'مرحوم' اور 'رحمۃ اللہ علیہ' کے لفظوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی ایسے شخص کے لیے یہ کلمے استعمال کیے گئے ہیں جس کے انتقال کو بہت زیادہ مدت نہیں گذری، اس سے بھی خمسوں کے مرتبین اور قدسی دہلوی کے درمیان زمانی قرب کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

جامع صحیفۂ قدسی کے بیان سے جو اس نے دیباچہ میں دیا ہے، یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس کو نعت نگار کی ذات سے تعلقِ خاطر تھا، لہذا خمسوں کی ترتیب و تدوین کے وقت اس کو دہلوی لکھنا ایک ایسی شہادت ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، ظاہر ہے کہ اس نے یہ نسبت

بلا تحقیق از خود نہ لکھی ہوگی، اور اس بات کا قطعی امکان نہیں کہ اس کو سہو ہوا ہو، وہ شاعر کی ذات اور شخصیت سے بخوبی واقف ہے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اس نے ایسے جانے بوجھے شخص کی نسبت عمداً یا غیر عمداً غلط لکھ دی ہو، یہ بہرحال یقینی امر ہے کہ مرتب مجموعۂ ہذا کی حیثیت ایک غیر آگاہ ناقل کی نہیں بلکہ ایک واقف کار مورخ کی سی ہے جو کسی معاملہ کی نوعیت سے کما حقہٗ واقف ہوتا ہے اور جس کا بیان محقق اور مستند ہوتا ہے،

نعت مذکور کے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بحیثیت مجموعی اس کا انداز گذشتہ صدی کے کسی خالص ہندوستانی شاعر کا ہے، اور قدسی مشہدی کے اسٹائل اور طرز شاعری سے بہت مختلف ہے۔

اس نعت کی شہرت اور مقبولیت آج بھی قائم ہے اور عام طور سے ارباب ذوق اور ذی علم حضرات اس کو قدسی مشہدی ہی کی تصنیف بتاتے اور خیال کرتے ہیں لیکن ہماری نظر میں ان شواہد و قرائن کی موجودگی میں اس کو قدسی مشہدی کی تصنیف بتانا یا لکھنا صحیح نہیں،

اپنے دور میں تو یہ نظم بظاہر بہت ہی زیادہ مقبول و معروف رہی ہے، اس حقیقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بیسیوں شاعروں نے اس پر خمسے نظم کیے لیکن ان چند شاعروں کو چھوڑ کر جنھوں نے تضمینیں فارسی میں کہی ہیں، بیشتر شعرا اردو کے ہیں، کچھ ایسے بھی تضمین نگار ہیں جن کا کلام عربی یا پنجابی زبان میں ہے[1]، ایسے شعراء انیسویں صدی کے ہیں اور اس بات سے بھی نعت متداولہ اور تضمین نگاروں کے عہد کے تعین میں مدد ملتی ہے،

صحیفۂ قدسی کے مرتب کے دیباچہ سے اس نعتیہ غزل کی بے انتہا مقبولیت کا پتہ چلتا ہے، اس نے لکھا ہے کہ صحیفۂ قدسی کی ترتیب سے بھی پہلے اس نے دو[2] حصے مجموعہ نعت کے نام سے شائع کرائے تھے،

[1] صحیفۂ قدسی (ص ۹۰، ۱۰۸) میں ایک ہی خمسہ پنجابی میں نظم کیا ہوا ملتا ہے، تضمین نگار کا نام مولوی شیخ عبدالواحد دہلوی المتخلص بہ واحد دیا گیا ہے۔

اس دیباچہ سے چند دوسرے ضروری اور متعلق امور کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"اول تو یہ کہ مرتب مجموعۂ ہذا کو ہمیشہ سے رسولِ اکرمؐ کی مدح خوانی یا نعت خوانی کا شوق تھا اور بہت سے خمسے اس کو زبانی یاد تھے، جو وہ جلسوں میں پڑھتا تھا، اکثر شائقین اور باذوق حضرات اس سے ان خمسوں کی نقل کا مطالبہ کرتے کہ "یہ خمسہ لکھ دو یا نقل کر دو"۔ اس لیے اس نے طے کیا کہ جتنے خمسے اس کو یاد ہوں ان کو جمع کر کے چھپوا دیا جائے، لہٰذا" بعنایت الٰہی ۱۲۹۳ھ میں بندہ نے مجموعۂ نعت کے نام سے دو[2] حصے چھپوا دیے، پھر میری نظر سے حدیث قدسی گذری جو کہ ۱۲۷۳ھ میں قاضی محمد عمر صاحب نے جمع کر کے چھپوائی تھی، اس کو دیکھ کر بے اختیار دل نے چاہا کہ میں بھی قدسی کی غزل کے خمسے جمع کر کے چھپوا دوں۔ پس میں نے بھی بعنایت الٰہی کمر ہمت باندھ کر جنوری ۱۸۸۵ء کو دہلی کے اخباروں میں اشتہار دینے شروع کیے اور کثرت سے شاعروں کو بیرونجات میں خط لکھے، اب بفضلِ ایزدی عرصہ دو سال میں یہ مجموعہ تیار ہو گیا جو کہ ہدیۂ شائقین و ناظرین ہے ....

اور بندہ نے ہر ایک شاعر کے تخلص کو ابجد کے حساب سے ترتیب دیکر مرتب کیا ہے تاکہ ہر ایک شخص کو خمسہ کے نکالنے میں دقت نہ ہو، اور نام اس کتاب کا صحیفۂ قدسی حصۂ دوم حدیث قدسی رکھا[1] .... الخ"۔ مرتب نے آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ

[1] حقیقتاً مجموعہ صحیفہ قدسی، حدیث قدسی کا حصہ دوم نہیں ہے لیکن محض اس بنا پر کہ یہ نسخہ موخر تھا اور حدیث قدسی کے بعد تیار کیا گیا تھا، مرتب نے اس کو یہ نام دے دیا ہے، ورنہ حقیقتاً دونوں الگ اور جداگانہ کوششیں ہیں،

جتنے خمسے پہلے مجموعہ یعنی حدیث قدسی میں چھپ چکے ہیں وہ مجموعۂ ہذا میں شامل نہیں کیے گئے۔[1]

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزل متداولہ کی ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ ان دو کوششوں سے قبل ہی تضمینوں کی تدوین اور جمع آوری کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، لہذا قریب العہد شاعروں نے جن میں چند بڑے اور ممتاز شاعر شامل تھے، اور معمولی درجہ کے سخن گو حضرات بھی اس نعت پر خمسے لکھ ڈالے، حاجی سید شمشیر علی تخلص شمشیر، مرتب صحیفۂ قدسی نے بھی اپنا خمسہ تضمین کیا جو اس مجموعہ کے صفحہ ستر پر درج ہے،

متذکرۂ بالا اقتباس کے پیش نظر تضمینوں کی ترتیب کے سلسلہ میں حدیث قدسی کو سید شمشیر علی کے مجموعوں پر تقدم زمانی اور فوقیت حاصل ہے، اور غالباً یہ پہلی کوشش تھی جو اس ضمن میں وجود میں آئی، اس مجموعہ کی اہمیت اور وقعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں چند عظیم المرتبت ہندوستانی شاعروں جیسے آخری تیموری تاجدار بہادر شاہ ظفر، اسد اللہ خاں غالب دہلوی، حکیم مومن خاں مومن، امام بخش صہبائی، میر مہدی مجروح، غلام امام شہید اکبرآبادی وغیرہ اور دوسرے متعدد (نسبتاً کم متعارف) شاعروں کے خمسے شامل ہیں،[2] غالب اور صہبائی کے خمسے فارسی میں اور بقیہ تین اصحاب کے خمسے اردو میں ہیں،[3]

اس کے علاوہ بھی کئی شعراء ایسے ہیں جنھوں نے اس نعت پر خمسے فارسی میں موزوں کیے ہیں، مرتب نے صفحہ ایک سو پچیس ۱۲۵ پر اکیس ۲۱ اشعار کی ایک غزل درج کی ہے جس میں اس نے ان شعراء کا نام یا تخلص لکھا ہے جنھوں نے تضمینیں کہی ہیں، اس غزل کا عنوان یوں پیش کیا گیا ہے،

---

[1] یہ صحیح نہیں اسلیے کہ خمسہ حافظ عبدالرحمٰن خاں صاحب متخلص بہ احسان جو صحیفۂ قدسی میں صفحہ ۹ پر درج ہے اور جسکا مطلع ہے: "مستمد ہیر شفاعت ہو شہا تجھ سا نبی" الخ، حدیث قدسی میں بھی صفحہ ۵ پر مندرج ملتا ہے۔ [2] ان شعراء کے خمسوں کے لیے ملاحظہ ہو بالترتیب صفحات ۵۵-۱۱۴-۹۱-۱۱۳-۹۲ اور ۱۱۵ [3] غالب کی تضمین بعنوان خمسہ بر غزل مولانا قدسی قدس اللہ سرہٗ کلیات غالب (مرتبہ امیر حسن نورانی) میں صفحہ ۱۸۷ پر درج ہے۔

"غزل از فکر ناقص قاضی محمد عمر مولف مجموعۂ ہذا در ذکر شعراء"۔ مطلع یہ ہے:-

(۱) آج پھر بزم سعادت کی ہے ترتیب نئی
جمع ہوتے ہیں سبھی مدح سرایان نبی

اگلے شعر میں مرتب نے سب سے پہلے بہادر شاہ ظفر کا نام لیا ہے، شعر ہے:-

(۲) گوہر مملکت و سایہ حق، مہر عطا
شاہ ذیجاہ ظفر مظہر نور قدسی

بقیہ انیس ۱۹ اشعار بھی یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے وہ سارے نام سامنے آ سکیں گے جو بقول مرتب مدح سرایانِ نبیؐ کی صف میں شامل ہیں:

شعر ۳: خازن جوہر عرفان خدا، حضرت مرزا
جس کی پیشانی سے ظاہر تھے فیوض ابدی

" ۴: منبع فضل و کرم، معدن فیاضی آزاد[1]
ساقی میکدۂ علم و ہنر، صہبائی

" ۵: شیر میدانِ سخن، غالب یکتای زمن
فخر خوش فہمی و خوش گوئی و شیریں سخنی

" ۶: سوزرہ شمع سر محفل علم و حکمت
جن کی مشہور جہاں میں ہے سخن کی گرمی

" ۷: یوسف مصر معانی و عزیز خوشگو
اور یقیں شاہ کش کا کل اسرار خفی

" ۸: اختر و عصمت و آشفتہ و احسان و حمید
بسمل اور جو و فنا رحمت و موزون زکی

" ۹: حشمت و رفعت و تحسین و حیا و سوزش
مظہر و مخلص و طراز و صغیر و کافی

" ۱۰: مومن و مضطر و مدہوش و حیات و حیدر
بسمل و ناب و آشفتہ و اسحاق و غنی

" ۱۱: مضطر و نکہ و امداد و رسا و راحت
سالک و صابر و مجروح و انیس و روحی

" ۱۲: ذاکی و خستہ و شیدا و امیر و طیب
مغل و مہر و سلیم و طرب و فرد زکی

" ۱۳: فضل و عیش و قلق و خیر و امانت، عاجز
شاد، شاداں و شگفتہ و دبیر و محوی

" ۱۴: راحت و جوش و لطیف اور شہید و شہرت
ماہر و طیب و تنویر و فنون و کیفی

" ۱۵: گوہر و قیس و فنا اور ظہور و مضطر
عبد و مسکین و ثنائی و خلیل و علوی

---

[1] وزن شعر میں لانے کے لیے اس کو طراز یعنی مشدد "ر" کے ساتھ پڑھنا پڑے گا،

شورش: قادر و عیش و غنی فکر و شہریہ و چالاک — اور مشیر اور ضمیر اور مذاق و عرشی

رمز: واصف و وحشت و خورشید و بلند و شاکر — نازنین و شرر و صارم و عاشق و نامی

رمز: اور تجمل کہ مجرد ہے مجرد کی طرح — اور مخیر ہے معزز کی صفت لاثانی

رمز: صاحب فکر رسا، قایم خوش فکر کلام — ہجر وہ ہجر کہ ہے شعر و سخن میں نامی

رمز: وہ قناعت وہ وجاہت وہ وصال اور شہید — وہ شہیدی و رحیم اور وہ نسیم و نقشی

رمز: جن کی ہے طبع رسا معدن اسرار خدا — جن کی خاک کف پا سرمۂ چشم قاضی

مجموعہ حدیث قدسی میں شامل ان تمام شعراء کے نام جنھوں نے تضمینیں موزوں کیں مع تخلص یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ حکیم منور علی خاں آشفتہ رئیس میرٹھ — ۲۔ پنڈت امرناتھ المتخلص بہ آشفتہ
۳۔ حافظ عبدالرحمٰن خاں تخلص احسان — ۴۔ خمسہ اختر تخلص از خاندان تیموریہ کہ ہمش در پردہ عصمت است
۵۔ حاجی محمد اسحاق المتخلص بہ اسحاق — ۶۔ امانت علی المتخلص بہ امانت
۷۔ مولوی امداد اللہ تھانوی، تخلص امداد — ۸۔ محمد امیر صاحب تخلص امیر
۹۔ سید قاسم علی خاں، تخلص انیس — ۱۰۔ میاں اوج صاحب دہلوی
۱۱۔ غلام بسم اللہ بریلوی المتخلص بہ بسمل — ۱۲۔ سید قطب الدین صاحب بسمل تخلص
۱۳۔ حکیم مولوی سید احمد المتخلص بہ تاب — ۱۴۔ تجمل رسول خاں، تجمل تخلص
۱۵۔ محمد حسین خاں دہلوی المتخلص بہ تحسین (مہتمم مطبع مصطفائی دہلی) — ۱۶۔ مرزا عاشور بیگ ثنائی
۱۷۔ محمد نظام الدین جوش تخلص — ۱۸۔ نواب دبیر الدولہ میرزا محمد علی خاں بہادر تخلص حیدر
۱۹۔ محمد حیات خاں، تخلص حیات — ۲۰۔ صاحب عالم میرزا رحیم الدین، حیا تخلص
۲۱۔ صاحب عالم میرزا فخرالدین حشمت تخلص — ۲۲۔ حزین شاگرد عارف

۲۳۔ خلیل الدین المتخلص بہ خلیل رئیس میرٹھ — ۲۴۔ حافظ الطاف حسین تخلص خستہ (رئیس پانی پت)
۲۵۔ خیرالدین تخلص خیر — ۲۶۔ محمد فاضل، المتخلص بہ دبیر
۲۷۔ میاں ذاتی — ۲۸۔ مرزا محمود بیگ دہلوی المتخلص بہ راحت
۲۹۔ میاں راحت شخصے دیگر — ۳۰۔ میرزا کریم الدین، المتخلص بہ رسا
۳۱۔ میرزا پیارے صاحب تخلص رفعت — ۳۲۔ مولوی محمد صدیق حسن قنوجی تخلص روحی
۳۳۔ خمسہ میاں رحمت صاحب — ۳۴۔ نواب محمد زلنجان بہادر لکھنوی، المتخلص بہ زکی
خمسہ مکرر زکی در صنعت مکرر
۳۵۔ مولوی عبدالکریم سوز تخلص — ۳۶۔ حافظ عبدالرحمٰن کاندھلوی، سوزش تخلص
۳۷۔ مولوی سلیم اللہ، سلیم تخلص — ۳۸۔ مرزا خجستہ بخت، سالک تخلص
۳۹۔ منشی تفضل حسین، تخلص شاد — ۴۰۔ مرزا عالی بہادر لکھنوی، المتخلص بہ شیدا
۴۱۔ خمسہ مولوی شہید صاحب لکھنوی — ۴۲۔ مولوی علی بخش، شرر تخلص
۴۳۔ میاں احمد خاں دہلوی شہریہ تخلص — ۴۴۔ سندر لال لکھنوی، المتخلص بہ شگفتہ
۴۵۔ مرزا حاجی صاحب تخلص شہرت — ۴۶۔ نواب عبدالوہاب خاں، شاداں
۴۷۔ میاں خان صاحب دہلوی، صفیر تخلص — ۴۸۔ مرزا قادر بخش دہلوی، صابر تخلص
۴۹۔ فصیح الدین سہارنپوری، ضمیر تخلص — ۵۰۔ فصیح الدین رنجکی، المتخلص بہ طبیب
۵۱۔ سید حیدر علی، المتخلص بہ طبیب — ۵۲۔ رحیم بخش، تخلص طرب
۵۳۔ محمد شاہ میر دہلوی، طراز تخلص — ۵۴۔ بہادر شاہ بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہ ظفر تخلص
۵۵۔ مولانا مولوی محمد ظہور علی، ظہور تخلص[۱] — ۵۶۔ مولوی عبدالعزیز، عزیز تخلص
۵۷۔ مولوی احمد حسن قنوجی، عرش تخلص — ۵۸۔ قادر علی عبد تخلص

---

[۱] یہی نام اور تخلص لیکن مختلف اشعار کے ساتھ صحیفہ قدسی (ص ۸۶) میں بھی ملتا ہے۔

۵۹- خمسہ میاں عاجز صاحب

۶۰- منشی عزت سنگھ دہلوی تخلص عیش

۶۱- حکیم آغا جان عیش تخلص

۶۲- مولانا مولوی حکیم محمد عبد اللہ تخلص حلوی

۶۳- عبد الغنی ساکن بریلی، غنی تخلص

۶۴- خمسہ نامدار خاں غنی تخلص عمدہ دار مطبع ہذا

۶۵- حکیم محمد بشارت علی، تخلص فرد

۶۶- خمسہ میاں فنا

۶۷- قاضی فضل الرحمٰن متخلص بہ فضل

۶۸- میر حسن علی ترمذی، تخلص فنا

۶۹- میر بندہ علی دہلوی تخلص فکر

۷۰- میرزا منجھلے صاحب المتخلص بہ فسون

۷۱- میرزا نصیر الدین قناعت

۷۲- محمد عنایت اللہ خاں قیس تخلص

۷۳- میرزا قادر شکوہ، قادر تخلص

۷۴- شیخ مولی بخش، تخلص قلق

۷۵- مولوی کفایت علی مراد آبادی کافی تخلص

۷۶- خمسہ کیفی صاحبہ از خاندان تیمور

۷۷- میاں علیم اللہ گوہر

۷۸- فدا حسین بیرجی، لطیف تخلص

۷۹- مولوی رعایت حسین سہارنپوری مضطر تخلص

۸۰- محمد مردان علی خاں المتخلص بہ مضطر مراد آبادی

۸۱- حافظ حکیم مظفر حسین خاں مسکین تخلص

۸۲- میر مظہر علی مظہر تخلص

۸۳- حافظ اعظم علی، مضطر تخلص

۸۴- میاں غلام نبی مدہوش تخلص

۸۵- خمسہ میاں تحیر صاحب

۸۶- میاں دلدار علی، مذاق تخلص

۸۷- مرزا محمد بیگ، محوی تخلص

۸۸- محمد اکبر، مخلص تخلص

۸۹- سید محمد علی معزز تخلص

۹۰- خمسہ میاں مہر صاحب

۹۱- خمسہ حکیم مومن خاں مرحوم مومن تخلص

۹۲- خمسہ میر مہدی صاحب المتخلص بہ مجروح

۹۳- حافظ محمد قطب الدین دہلوی مشیر تخلص

۹۴- مرزا محمد ظہیر الدین متل تخلص (خلف حضور والا)

۹۵- خمسہ میرزا جمعیت شاہ، ماہر تخلص

۹۶- میرزا محمد قادر بخش، موزوں تخلص

۹۷- خدا بخش خاں، تنویر تخلص

۹۸- شیخ امیر علی دہلوی، مجروح تخلص

۹۹- میرزا علی نازنین تخلص

۱۰۰- مولوی حکیم محمد نسیم اللہ، نسیم تخلص

۱۰۱- بدر الدین علی خاں، نقشی تخلص

۱۰۲- خمسہ میاں نامی صاحب

۱۰۳- حکیم محمد نصر اللہ خاں دہلوی المتخلص بہ وصال

۱۰۴- مولوی احمد حسن، وحشت تخلص

۱۰۵- احمد علی خاں وجاہت تخلص

۱۰۶- سید حیات اللہ واصف تخلص

۱۰۷- سید جمیل الدین ہجر تخلص

۱۰۸- سید محمد حسین خاں، یقین

۱۰۹- صفدر علی بیگ، بلند تخلص [1]

۱۱۰- حکیم حافظ ایوب علی، قائم تخلص

۱۱۱- ترجیع بند غلام امام شہید اکبر آبادی شہید تخلص (نیز ایک خمسہ)

۱۱۲- (خمسہ فارسی) جناب مولوی امام بخش صہبائی مدرس مدرسہ دہلی

۱۱۳- خمسہ نواب اسد اللہ خاں غالب تخلص میرزا نوشہ

۱۱۴- میرزا رحیم بیگ رحیم تخلص

۱۱۵- سید احمد حسن، المتخلص بہ صارم

۱۱۶- نواب مرزا والاجاہ بہادر لکھنوی المتخلص بہ عاشق

۱۱۷- سید امیر مرزا، خورشید تخلص

۱۱۸- خمسہ میرزا محمد سلطان فتح الملک شاہ ولی عہد بہادر المتخلص بہ رمز

۱۱۹- مسدس مولوی محمد بشیر الدین تخلص شاکر

اس آخری شاعر کی تضمین کے بعد جو مسدس کی شکل میں ہے، ایک مشہور مخمس نعت نبی میں (لیکن بہ شکل تضمین نہیں) ملتا ہے، مقطع سے نشاندہی ہوتی ہے کہ اس کا مصنف کوئی شاعر متخلص بہ شہید ہی ہے، اس مخمس کے بعد ایک سرخی "تضمین بر غزل استادنا نسیم دہلوی" مندرج ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ تضمین مرتب حدیث قدسی نے اپنے استاد نسیم دہلوی کی کسی غزل پر موزوں کی ہوگی، اس عنوان کے بعد مرتب کی وہی غزل جو تضمین نگاروں کے ناموں

---

[1] ایک خمسہ اسی نام اور تخلص سے بجنسہ انہی اشعار کے ساتھ جو اس مجموعہ میں مندرج ہیں صحیفۂ قدسی (ص ۲۲) میں بھی موجود ہے،

یا تخلصوں پر محتوی ہے، اور جس کو راقم نے گذشتہ سطور میں نقل کیا ہے، ملتی ہے، اسکے بعد متفرق اشعار بعنوان "ابیات متضمن نصیحت برائے مومنین طالب جمعہ" اور ایک سرخی بعنوان غزل بھی موجود ہے، جس کے بعد تمت کا عنوان اور قطعہ تاریخ طباعت فارسی میں درج ہے، جو حسب ذیل ہے،

"چوں دریں آوان بعون کردگار — نعتِ شاہِ انبیاء مطبوع شد
گفت ثاقب سال آں از روئے طبع — وصف محبوب خدا مطبوع شد

اس کے بعد ملحقات کے عنوان سے چند اور بھی تضمینیں اسی مجموعہ میں موجود ہیں جو بعد میں بدیع الزماں مہتمم مطبع ہذا نے شعرائے نامی سے موزوں کروا کے زینت دہ رسالہ ہذا کئے یعنی مجموعہ میں شامل کئے، ان خمسوں کا ذکر ہم طوالت کے خوف سے یہاں نظر انداز کرتے ہیں، ان تضمین نگار شعراء کے ذکر یا ان کے کلام کو قاضی محمد عمر نے متن اصلی میں شامل نہیں کیا ہے، ان مزید خمسوں کی کل تعداد بارہ[12] ہے، تضمین نگاروں کی فہرست سے علم ہوتا ہے، کہ شعراء کی تعداد ایک سو انیس[119] اور کل خمسوں کی تعداد ایک سو اکیس[121] ہے،

صحیفۂ قدسی کے مرتب نے اپنی تالیف کے آخر میں لکھا ہے کہ

"حدیثِ قدسی کے پہلے حصہ میں ۱۳۲ (کذا) خمسے ہیں، اور وہ نو[9] (کذا) جزو پر ہے صحیفۂ قدسی حصہ دویم میں ۲۰۰ خمسے جمع کر کے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں، یہ حصہ ۱۱ (کذا) جزو کا ہے[1]"

---

[1] حدیث قدسی کے پہلے حصہ سے مراد خود مجموعۂ حدیث قدسی اور صحیفۂ قدسی حصہ دویم سے مراد خود صحیفۂ قدسی ہے، یہ مرتب حدیثِ قدسی کو حصہ اول اور اپنی کوشش کو حصہ دویم کا نام دیتا آیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، حقیقتاً یہ دونوں بالکل جداگانہ مجموعے ہیں، یہ بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ جزو سے مرتب کی مراد کیا ہے،

اس متبرک اور پاکیزہ غزل پر تضمین نگاری کے سلسلہ میں شعراء نے بلا تفریق مذہب و ملت حصہ لیا، اور اس طرح اپنے جذبات خلوص و ارادت کا اظہار کیا، یہ بات بھی اس نعت کی مقبولیت اور عظمت کی واضح اور بین دلیل ہے۔ صحیفۂ قدسی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے چند ہندو حضرات نے خمسے نظم کئے تھے، جو سرورِ کونین کی ذاتِ والا صفات سے ان شعرائے کرام کی عقیدتمندی کا کھلا ہوا ثبوت ہیں، جن ہندو شاعروں کی تضمینیں اس مجموعہ میں شامل ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں،

۱۔ منشی تلجا رام تخلص جوہر (ص ۴۴)

۲۔ منشی ہرلال، تخلص رسوا، دہلوی (ص ۱۷۰)

جبکہ تضمین نگاروں کی فہرست سے ظاہر ہے، حدیثِ قدسی میں ان دو حضرات کے نام موجود ہیں،

۱۔ پنڈت امرناتھ، المتخلص بہ آشفتہ (ص ۴) (۲) سندر لال لکھنوی تخلص شگفتہ (ص ۴۰)

۳۔ منشی عزت سنگھ دہلوی المتخلص شگفتہ (ص ۴۶)

شیخ اکرام صاحب نے اس نعت کے کل آٹھ اشعار دیئے ہیں، جب کہ ان دونوں مجموعوں میں عام طور سے دس اشعار ملتے ہیں[1]، ان آٹھ اشعار میں سے جو زیر نظر مقالہ کے شروع میں نقل کر دیئے گئے ہیں، ایک شعر تو وہ ہے جو عام طور سے مخمسات میں کم ملتا ہے، وہ بیت یہ ہے،

عاصیانیم ز ما نیکی اعمال مپرس[2] — سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے سببی

اس کے علاوہ بقیہ سات اشعار کلیتہً مشترک ہیں، باقی تین ابیات جو کم و بیش ہر خمسہ میں شامل تضمین ہیں اور ارمغان پاک میں دستیاب نہیں، یہ ہیں:-

---

[1] اور کہیں کہیں گیارہ، مثلاً فاروق علی المتخلص بہ انجم کے خمسوں میں جو صحیفہ قدسی میں صفحات تین اور چار پر درج ہیں، [2] اکثر خمسوں میں بجائے مپرس مخواہ درج ہے،

۱- نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام — زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

۲- ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور — زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

۳- شب معراج عروج تو گذشت از افلاک — بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی[1]

ایک اور بھی زاید بیت جو باندھا گیا ہے (اگرچہ بکثرت نہیں) یہ ہے،

بر در فیض تو استادہ بصد عجز و نیاز — رومی و زنگی و طوسی یمنی و حلبی

حدیثِ قدسی کے ایک دو خمسوں میں یہ شعر بھی دیکھنے میں آیا،

در حریم حرم کعبہ وصلش نرسی

دست در دامن اولاد نبی تا نزنی

بحیثیت مجموعی صحیفۂ قدسی کی اہمیت نسبتاً کم ہے، حدیثِ قدسی کی برتری کی ایک وجہ تو وہی تقدم زمانی ہے، جس کے بارہ میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ صحیفۂ قدسی میں خمسوں کی تعداد میں اضافہ کے باوجود تضمینوں کا معیار نکتہ وفن کے اعتبار سے کچھ بہت بلند نہیں، اور کوئی بھی صاحبِ امتیاز شاعر تضمین نگاروں میں شامل نظر نہیں آتا، البتہ شیخ ابراہیم ذوق اور مولوی امام بخش صہبائی کے تلامذہ کے خمسے شامل ہیں یعنی شوق شاگرد صہبائی، سید میرن شاہ المتخلص بہ صفا، تلمیذ ذوق دہلوی، بدر الدین صہبا (صبا؟) شاگرد صہبائی، اور سید دلدار علی بدایونی تخلص مذاق، شاگرد حضرت ذوق،

[1] مفہوم محل کے اعتبار سے بجائے نرسد نرسید ہونا چاہئے، بہرحال اس کلمہ نرسد سے جو فعل مضارع کا صیغہ ہے، حال اور مستقبل دونوں کے معنی نکلتے ہیں، گویا نبی آخر الزماں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بعد بھی کسی نبی کی بعثت کی گنجائش باقی رہتی ہے، یا رہے گی، اور یہ بات اس باب میں امت مسلمہ کے عقیدہ کے بالکل منافی پڑتی ہے،

بہر حال صحیفۂ قدسی میں شعراء کی کل تعداد ایک سو اکیاون ۱۵۱ ہے اور خود مرتب کے قول کے مطابق جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے، خمسوں کی تعداد دو سو ہے جن میں چند مسدس اور ایک دو مثلث بھی شامل ہیں اسی مجموعہ میں صفحہ ۲۹ پر ایک خمسہ بنام تمہید درج ہے، جس کے ہر بند میں کل نو ۹ مصرعے ہیں یعنی دو نعت گو شاعر کے اور بقیہ سات تضمین نگار کے۔

کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ (شاید) قدسی دہلوی نے یہ نعت بارگاہ نبوی میں موجودگی اور حاضری کے وقت موزوں کی ہوگی، جیسا کہ اس مصرع سے ظاہر ہے:

ع آمدہ سوی تو قدسی پیٔ درماں طلبی

صحیفۂ قدسی (۳۲) میں خمسہ محمد حمید اللہ خاں متخلص حمید کے آخری بند کا ایک مصرع اور پھر نعت نگار کا آخری شعر اس طرح درج ہے:

در پہ حاضر ہے حمید آپ کے مثلِ قدسی

....

سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی — آمدہ سوی تو قدسی پیٔ درماں طلبی

اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کے اشارے چند دوسرے خمسوں میں بھی ملتے ہیں، اسکے علاوہ خود نعت کے ایک اور مصرع:

ذاتِ پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور

سے بھی سرزمین حجاز میں شاعر کی موجودگی یا اس سے قربت کا احساس ہوتا ہے۔

متذکرۂ بالا مجموعوں (خاص طور سے صحیفۂ قدسی) کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نعت متداولہ کی شہرت، اس کے مقبول خاص و عام ہونے کی بنا پر، ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی تھی، یہی وجہ ہے کہ شمالی ہندوستان کے علاقوں جیسے دہلی، پنجاب، یوپی وغیرہ

کے علاوہ دور دراز حصوں اور شہروں مثلاً میسور، کوئمبٹور، حیدر آباد، پونا جبل پور،
ہوشنگ آباد، اندور (مالوہ) عظیم آباد (پٹنہ) جھجھر، برہان پور اور گلبرگہ وغیرہ کے
شعرا نے بھی پورے ذوق وشوق اور خلوص و عقیدتمندی کے جذبات کے ساتھ اس
پسندیدہ نعت پر تضمینیں اور خمسے مرتب کئے۔

صحیفۂ قدسی کے جامع نے بالکل آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے امیر خسرو کی مشہور
غزل جس کا مطلع ہے

اے چہرۂ زیبای تو رشک بتانِ آذری — ہر چند وصفت میکنم در حسن زاں زیباتری

کی تضمینوں کی جمع آوری کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا، لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کام
پایۂ تکمیل کو پہنچا یا نہیں۔

وہ لکھتا ہے:-

"بندہ نے حضرت امیر خسرو دہلوی کی غزل کے خمسے جمع کرنے شروع کیے ہیں، میرا
ارادہ ہے کہ انشاء اللہ ان کو اسی طرح چھپوا دوں۔ اس لیے عرض ہے کہ جن صاحب
کے پاس اس غزل کا خمسہ یا مثلث یا مسدس ہو یا اب طبع آزمائی فرمائیں اور مجھکو
مرحمت کریں تو میں بعد چھپنے کے ایک کتاب ان کو نذر کر دوں گا۔ غزل یہ ہے ؎
"اے چہرۂ زیبائے تو........" الخ

اس بات کے اظہار کی چنداں ضرورت نہیں کہ قدسی اور اس کی نظم کردہ نعت پر
اس بحث کے ضمن میں یہ تو تمام خمسوں کی نقل کی یہاں گنجایش ہے اور نہ ضرورت، لہٰذا ہم
ناظرین کی دلچسپی کے لیے بطور مثال اور نمونہ ان چند نامور تاجدارانِ اقلیم سخن کے مخمسات پیش
کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن کا کلام فکر کی ندرت اور پاکیزگی، بیان و انداز کی تازگی اور

دلنشینی کا حامل ہے، اور جس میں خلوص جذبہ کی آمیزش نے تاثیر کا گہرا رنگ بھر دیا ہے، ان
نمونوں کے انتخاب میں وہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے، جو پیشتر ضبط تحریر میں آچکی ہے۔

خمسہ بہادر شاہ ظفر:-

سرورا تو وہ نبی جس کے نہیں بعد نبی — دیکھ کر شان تری عرش کی بھی شان دبی
انبیاء تجھ سے کہیں وقتِ شفاعت طلبی — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ہے ترے جلوہ سے مسجودِ ملایک آدم — تیرے ہی نور سے پُر نور حدوث او رقدیم
دیکھ کر حسن کے شیدا ترے دونوں عالم — مَن بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

تجھ کو گر خالقِ کونین نہ پیدا کرتا — پھر کبھی ارض و سما ہوتے نہ پیدا اصلا
گرچہ اولاد میں آدم کی ہوا تو پیدا — نسبتی نیست بذاتِ تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

جب گیا سوئے فلک کر کے زمیں کے طے دشت — دیکھے سب باغ بہشت ایک ہی لیکن تا ہشت
کر چکا گلشن نہ چرخ کی جب تو گلگشت — شبِ معراج عروج تو ز افلاک گذشت
بمقامیکہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

ابر احسان کرم سے ترے سیراب انام — ثمر خلق سے ہے تیرے جہاں شیریں کام
ای تر و تازگی افزای ریاضِ اسلام — نخل بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

موسیٰ و عیسیٰ و داؤد جہاں تھے نامو — وہیں نازل ہوئیں توریت اور انجیل و زبور

ان کی ہر خاص زباں میں کر نہ ہو فہم سود دُو — ذاتِ پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور

زاں سبب آمدہ قرآن بزبانِ عربی

وہ فرشتہ کہ جو ہو حاملِ عرشِ اعظم — آئے در پہ ترے آنکھوں کو اگر کرکے قدم

تو ادب سے یہ کہے کھا کے ترے در کی قسم — نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم

زاں کہ نسبت بہ سگِ کوی تو شد بی ادبی

سوزِ عصیاں سے جگر سوختہ جب مخلوقات — آئیں صحرای قیامت میں طلبگار نجات

کہیں سرچشمۂ احسان ہے شہا تیری ذات — ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات

لطف فرما کہ زحد میگذرد تشنہ لبی

ہے ظفر کے دلِ بیمار کا بھی حال وہی — اور اسی طرح سے اب چارہ طلب ہیے وہ بھی

کہہ گیا آگے ثنا میں تری جیسے قدسی — سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی

آمدہ سوی تو قدسی پۓ درماں طلبی

خمسہ اسد اللہ خاں غالب دہلوی در فارسی :-

کیستم تا بجز و شم زدم بی ادبی — قدسیاں پیش تو در موقفِ حاجت طلبی

رفتہ از خویش بدیں زمزمہ زیر لبی — مرحبا سید مکّی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ایکہ روی تو دہد روشنی ایمانم — کافرم کافر اگر مہر منیرش خوانم

صورتِ خویش کشیدست مصور دانم — من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم

اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

ای گلِ تازہ کہ زیبِ چمنی آدم را — باعثِ رابطۂ جان و تنی آدم را

کردہ دریوزۂ فیض تو غنی آدم را — نسبتی نیست بذاتِ تو بنی آدم را

برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

ای لبت رالبسوی خلق زخالق پیغام — روح را لطفِ کلام تو کند شیریں کام

ابرِ فیضی کہ بود از اثرِ رحمتِ عام — نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

خواست چوں ایزد دانا کہ بساطی از نو — گسترد در ہمہ آفاق چہ نزدیک چہ دُو

حکم اصدار تو در ارض و سما یافت صدوُ — ذاتِ پاک تو دریں ملکِ عرب کرد ظہو

زاں سبب آمدہ قرآن بزبان عربی

وصفِ رخش تو اگر در دلِ ادراک گذشت — نہ ہمیں ست کہ از دایرۂ خاک گذشت

ہمچو آں شعلہ کہ گرم از خس و خاشاک گذشت — شبِ معراج عروجِ تو ز افلاک گذشت

بمقامیکہ رسیدی، نرسد ہیچ نبی

چہ کنم چارہ کہ پیوند خجالت گلم — منکہ جز چشمۂ حیوان نبود آب گلم

منکہ چوں مہر درخشاں ندہد نور دلم — نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بہ سگِ کوی تو شد بی ادبی

دل ز غم مردہ و غم بردہ ز ما صبر و ثبات — غمگسارا کن و بنمای بما راہِ نجات

داد سوز جگر ما کہ دہد نیل و فرات — ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبحیات

رحم فرما کہ زحد میگذرد تشنہ لبی

غالب غمزدہ را نیست دریں غمزدگی — جز بامید ولای تو تمنای بہی

از تپ (تب) و تابِ دلِ سوختہ غافل نشوی — سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی

آمدہ سوی تو قدسی پی درماں طلبی

خمسہ حکیم مومن خاں مومن دہلوی:

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی میں غلام اور وہ صاحب ہے، میں امت وہ نبی

یا نبی یک نگہ لطف یا می(؟) و ابی مرحبا سید مکی، مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مظہر نور خدا، شکل ہے محسود صنم محو تیرے ملک و حور، پری و آدم

کیا ہے عالم کہ ہے تصویر ہی کا سا عالم من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم

اللہ اللہ چہ جمالست بدین بو العجبی

دشت عالم میں سراسیمہ گذارے اوقات آج تک منزل مقصود نہ پائی ہیہات

مدد اے خضر کرامت کہ نہیں پائی ثبات ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات

لطف فرما کہ زحد میگذرد تشنہ لبی

خود کہا ابن ذبیحین تو ظاہر میں کہا جوہر پاک کی خوبی ہے فرشتوں سے سوا

سر سے لے پاؤں تلک نور خدا نامِ خدا نسبتی نیست بذاتِ تو بنی آدم را

برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

صاحبِ خانہ سے ہوتا ہے مکاں کا اکرام وہی جنت ہے جہاں میں ہو جہاں تیرا مقام

آبِ ہر چشمہ کرے کوثر و تسنیم کا کام نخل بستانِ مدینہ ز تو سر سبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

ہوئی انجیل کہاں ناسخِ توریت و زبور تیری خاطر سے خدا نے یہ نکالا دستور

ہے رعایت تری ہر بات کی کتنی منظور ذات پاک تو دریں ملکِ عرب کرد ظہور

زاں سبب آمدہ قرآن بزبانِ عربی

کر سکے پایۂ عالی کو ترے کون ادراک ترے درجہ کو نہ عیوق ہی پہنچے نہ سماک

گرچہ کافی تھی فضیلت کو حدیثِ لولاک شبِ معراج عروجِ تو گذشت از افلاک

بمقامیکہ رسیدی، نرسد ہیچ نبی

جوش میں شوق کے کچھ یاد رہی مدح نہ ذم یہ نہ سمجھے کہ یہ کیا جاہ ہے اور کیا ہیں ہم

خود ستائی ہے زبس رسمِ فصیحانِ عجم نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم

زاں کہ نسبت بہ سگِ کوی تو شد بی ادبی

مومنِ زار کی صحت کا نہ تھا کچھ اسلوب نہ دوا اور نہ پرہیز، مرض حرص و ذنوب

پر ترا لطف ہے اعجاز مسیحا سے بھی خوب یا طبیب الفقرا انت شفاءُ القلوب

زاں سبب آمدہ قدسی پی درماں طلبی

خمسہ فارسی جناب مولوی امام بخش صہبائی:-

زیں طرب کز پی امت تو شفاعت طلبی بر لبِ رحمت حق خندہ بود زیر لبی

نسبتِ عرش بہ جاہ تو بود بی ادبی مرحبا سید مکی، مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

برق زد لمعۂ خورشید رخت بر جانم ز اضطراب آئینہ وش ریخت ہمہ مژگانم

ایکہ مہر تو بہ تن جان و بدل ایمانم منِ بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم

اللہ اللہ چہ جمال ست بدیں بو العجبی

چوں ترا یافتہ باشم چہ کنم عالم را از ہمہ بیشی و با بیش نخواہم کم را

داند آنکس کہ شناسد ز گہر شبنم را نسبتی نیست بذاتِ تو بنی آدم را

برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

طوطی سدرہ نشیں از شکرت شیریں کام — طوبیٰ از فیض تو در خلد دہد میوہ کام
زمزم از بحر کفِ جود تو سیراب تمام — نخل بستانِ مدینہ ز تو سر سبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

بود تا مسکن و ماوای تو در عالم نور — بی زباں داشت سخن حق بتو در بزم حضور
ہست اسباب چو در عالمِ اسباب ضرور — ذاتِ پاکِ تو دریں ملکِ عرب کرد ظہور

زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

رخش چالاک تو زیں عرصہ چو بیباک گذشت — کز زمین جست بلند و ز جہاں پاک گذشت
رفعتِ شان تو تنہا نہ ازیں خاک گذشت — شب معراج عروجِ تو ز افلاک گذشت

بہ مقامیکہ رسیدی، نرسد ہیچ نبی

ہمچو جاں شوق تو رہ یافتہ در آب و گلم — نقش زد حرف وفا خامۂ حیرت بدلم
لیک چوں می نگرم در تو در خود خجلم — نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بہ سگت نیز بود بی ادبی

ای ز حق بر تو و بر آلِ تو دائم صلوات — از لب لعلِ تو یک جنبش و از خلق نجات
سوز ما بین و بدہ بر لب تسنیم برات — ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات

لطف فرما کہ ز حد میگذرد تشنہ لبی

زاں زماں کامدہ لعلت پی مردہ دمی (؟) — تہمت معجزہ نابستہ کسی بر عیسی
دست صہبائی دلسوختہ پسند تہی — سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی

آمدہ سوی تو قدسی پی درماں طلبی

اس ضمن میں اور بھی تضمینیں پیش کیجا سکتی ہیں لیکن ہم نے طول کلام کے ڈر سے عمداً ان کو

نظر انداز کر دیا ہے، لہذا انھیں چند نمایندہ اقتباسات پر زیر نظر مقالہ کو ختم کیا جا رہا ہے۔ آیندہ کسی صحبت میں اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ ان تمام خمسوں کا جو مطالعہ میں آئے ہیں، ایک مفصل تنقیدی جائزہ لیا جائے تاکہ نعت گوئی کے میدان میں انکی اہمیت اور ان کا معیار متعین کیا جا سکے، ہمیں امید ہے کہ ان سطور سے جو پیش کی گئیں نعت قدسی کی تصنیف اور اس کے مصنف اعلیٰ کے تعین میں کسی حد تک مدد مل سکے گی اور اس طرح ایک دلچسپ بحث کے مختلف گوشے ناظرین کے سامنے آسکیں گے۔

وفیات

آہ! مولانا سیّد ریاست علی ندوی

از سید صباح الدین عبدالرحمن

گذشتہ مہینہ پٹنہ کے اخبار صدائے عام میں دار المصنفین کے ایک پرانے لائق خدمت گذار مولانا سید ریاست علی ندوی کی وفات کی خبر بڑے دکھ اور درد کے ساتھ پڑھی، اسی وقت ان کی اہلیہ کے نام ایک تعزیتی تار بھیجا، پھر انکے صاحبزادے سید ارشد علی کا یہ خط موصول ہوا:۔

آبگیلہ، ڈاکخانہ بنیاد گنج، گیا

۱۹ر دسمبر ۱۹۷۶ء

محترم چچا جان! السلام علیکم

بہت ہی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ والد محترم جناب مولانا سید ریاست علی ندوی صاحب ۴ر نومبر ۷۶ء کو بروز اتوار بوقت سوا نو بجے دن رحلت فرما گئے، موت حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ہوئی، پہلا دورہ ۱۳ر نومبر کو ۹ بجے دن کو ہوا، شہر کے مشہور ڈاکٹروں نے دیکھا، طبیعت سنبھل گئی، ہم لوگ کافی پُر امید ہو گئے، احتیاط کی خاطر گیارہ ۱۱ بجے رات کو مقامی اسپتال میں داخل کر دیا گیا، کبھی کبھی طبیعت

کچھ بگڑ جاتی تھی، لیکن برابر ہوش میں رہے، اپنی وفات سے ایک منٹ پہلے تک ہنستے بولتے رہے، ہم لوگوں کے گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ہم لوگوں کو اس قدر جلد داغِ مفارقت دے جائیں گے۔

ان کو اپنی غیر مطبوعہ کتابوں کی کافی فکر تھی، وہ اعظم گڈھ جانے کا ارادہ بار بار کرتے رہے، وہ دسمبر میں اعظم گڈھ ضرور پہنچتے، وہ اپنی چند کتابیں دار المصنفین کو دینا چاہتے تھے، یہ بات اطلاعاً لکھ رہا ہوں، امید کہ جناب عالی مع الخیر ہوں گے۔"

اس خط کو پڑھ کر آبدیدہ ہوا اور چالیس سال پہلے کے دار المصنفین کی صحبتیں یاد آگئیں، میں یہاں ۱۹۳۵ء میں آیا، یہ اس کی شہرت کے شباب کا زمانہ تھا، اس وقت اس علمی کاروان کے سالار اور حدی خواں استاذی المحترم حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ تھے، جن کے علم کا اعتراف علامہ اقبالؒ نے جوئے شیر اسلامیہ کا فرہاد کہہ کر کیا تھا، اس وقت انکی علمی بصیرت اور تحقیقی ژرف نگاہی سے پورا ہندوستان گونج رہا تھا، ہندوستان کے ہر گوشہ سے ان سے استفادہ کے لیے ارباب علم پہنچتے رہتے تھے، دار المصنفین کے اندر مولانا عبد السلام ندویؒ اپنے گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر علم و ادب کے موتی بکھیرنے میں مشغول تھے، اس بیت الحکمت سے مولانا ابوظفر ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، مولانا سید ریاست علی ندوی، جناب محمد عزیر صاحب ایم اے، ایل، بی، اور رہاں مدراس سے آکر مولوی حافظ محمد یوسف کوکنی عمری وابستہ تھے، مولوی مسعود علی ندوی اہل علم نہ ہونے کے باوجود اس علمی مجلس کے رکن رکین بنے رہے وہ اپنی دلچسپ باتوں اور بذلہ سنجیوں سے اس پر چھائے رہتے، میں یہاں پہنچا تو مجھکو یہاں کا ہر ہر گوشہ بساط دامانِ باغبان اور کفِ گلفروش نظر آیا،

مگر یہی بزم جو جنت نگاہ اور فردوس گوش بنی ہوئی تھی، سرور و سوز، جوش و خروش

سے خالی ہوتی گئی، پہلے تو استاذی المحترم مولانا سید سلیمان ندوی کی جدائی سے ان کے صریر خامہ کے نوائے سروش سے محروم ہو گئی، ان کے بعد مولانا عبد السلام ندوی کے قلم کا خرام ناز اور نظارہ جمال آنکھوں سے اوجھل ہوا، مولانا ابوظفر ندوی بھی دار المصنفین سے جاکر اللہ کو پیارے ہوئے، پھر مولوی مسعود علی ندوی کی شیریں بیانی اور خوش گفتاری چھن گئی، جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی دار المصنفین کے وقار اور آبرو کے ضامن بنے ہوئے اسکی مسند پر متمکن تھے کہ یکایک اس کے ذرہ ذرہ کو سینہ کوبی کرنے کے لیے چھوڑ گئے، ڈاکٹر محمد عزیر ۱۹۴۰ء ہی میں دار المصنفین چھوڑ کر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے تھے، مگر بفضل اللہ تعالیٰ وہ بقید حیات ہیں اور کراچی میں عاقبت سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں جناب مولوی حافظ محمد یوسف صاحب بھی پانچ سال یہاں رہ کر مدراس واپس ہو گئے، جہاں وہ مدراس یونیورسٹی میں عربی فارسی اور اردو کے شعبوں کے صدر ہوئے،

مولانا سید ریاست علی ندوی بھی ۱۹۵۰ء میں یہاں سے مستقل طور پر چلے گئے، مگر یہاں سے جانے سے پہلے دار المصنفین کی بزم دوشین کی ایک روشن شمع وہ بھی تھے، مگر آہ وہ بھی اب خموش ہے،

وہ ۱۹۲۴ء میں جناب شاہ معین الدین احمد ندوی کے ساتھ ندوہ کی تعلیم ختم کرکے حضرت سید صاحبؒ کی خواہش پر یہاں آئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں سید صاحب کو اپنی علمی ریاضت و محنت سے متاثر کیا، ۱۹۲۶ء میں ان کو اپنی نگرانی میں معارف کے مضامین کی ترتیب کا کام سپرد کیا جس میں وہ اچھے اچھے مضامین کی تلخیص کرتے اور مطبوعات جدیدہ پر ریویو بھی لکھتے رہے، ۱۹۲۶ء سے ۱۹۵۰ء تک معارف میں ان کے اہم مضامین حسب ذیل عنوانات سے شائع ہوئے،

عربوں کا علم طب شام میں (جون ۱۹۲۶ء)، فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ (جولائی تا ستمبر ۱۹۲۶ء)

ترکی ادبیات پر ایک اجمالی نظر (جون ۱۹۲۷ء)، امام غزالی اور حکمائے یورپ (اگست ۱۹۲۸ء) ابن رشیق صقلیہ میں (اپریل، اگست، ستمبر ۱۹۲۹ء)، خان اعظم تاتار خاں (فروری ۱۹۳۲ء)، کیا عالمگیر کے عہد میں تاریخ نویسی قانوناً جرم تھی (مئی ۱۹۳۲ء)، ترجمان القرآن اور نجات وسعادت کی راہ (مارچ ۱۹۳۳ء)، اغلبیوں کا عدالتی نظام (دسمبر ۱۹۳۳ء)، سندھ کے اسلامی حملوں کے قیدی (مئی ۱۹۳۵ء)، سسلی میں مسلمانوں کا تمدن (ادارہ معارف اسلامیہ لاہور میں پڑھا گیا، ستمبر تا دسمبر ۱۹۳۵ء وجنوری ۱۹۳۶ء)، صفی ہندی (مارچ ۱۹۴۳ء) عالمگیر کے عہد میں مندروں کا انہدام (ستمبر ۱۹۴۳ء)، کتاب العشر والزکوٰۃ (اگست، ستمبر ۱۹۴۴ء) عہد اسلامی کا ہندوستان (مئی، جون، جولائی ۱۹۴۹ء)

معارف میں باب الاستفسار قائم کیا گیا تو اس میں بیرونی سوالات کے جوابات بہت ہی محنت سے لکھتے، جو بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے،

دار المصنفین کے قیام میں ان کا اہم کارنامہ دو جلدوں میں تاریخ صقلیہ کی ترتیب و تدوین ہے، اس جزیرہ میں مسلمانوں کی حکومت کے کارناموں کو بالکل بھلا دیا گیا تھا، یہاں ان کی ڈھائی سو سال حکمرانی رہی، اس مدت میں انھوں نے اس کو جس طرح سنوارا، وہ مسلمانوں کی تاریخ کا بڑا شاندار کارنامہ ہے، اس کی پہلی جلد بقول مصنف مرحوم، رزمگاہ ہے جس میں یہاں کے سیاسی حالات اور مسلسل معرکہ آرائیاں دکھائی گئی ہیں، اور دوسری جلد بزمگاہ ہے جس میں صقلیہ کے اسلامی تمدن کے مناظر دکھائے گئے ہیں، اس طرح یہ دونوں جلدیں ایک ایسی تمدن آفریں قوم کی سرگذشت ہے جس کی تمدنی ترقیاں یورپ کی جدید ترقیوں کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے، مرحوم نے ان دونوں جلدوں کو جس محنت و ریاضت سے لکھا ہے وہ دار المصنفین کی علمی تاریخ کا ایک بڑا کارنامہ شمار کرنے کے لائق ہے، اس کو جن چند کتابوں پر

ناز ہے، ان میں یہ دو۲ جلدیں بھی شامل ہیں،

ان کی ایک کتاب تاریخ اندلس جلد اول بھی ہے، یہ بھی دارالمصنفین کی مقبول کتابوں میں ہے اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے، انھوں نے معارف میں اسلامی نظامِ تعلیم کے عنوان سے ایک سلسلہ مضمون بھی لکھنا شروع کیا تھا، جو بعد میں کتاب کی صورت میں شائع ہو کر مقبول ہوئی، اردو میں اس موضوع پر اس سے بہتر شاید کوئی اور کتاب نہیں، معارف میں ان کے جو مضامین ہندوستان پر نکلتے رہے، ان کا ایک مجموعہ "عہد اسلامی کا ہندوستان" کے نام سے شائع کیا،

دارالمصنفین میں تقریباً ۲۴ سال رہنے کے بعد وہ مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل کے عہدہ کے خواستگار ہوئے، وہاں ان کا انتخاب نہیں ہو سکا تو ان کو دارالمصنفین واپس آنے میں تامل ہوا، اس لیے وہ اپنے وطن گیا جا کر رسالہ ندیم کے مالک ہو گئے، ان کو خیال ہوا کہ وہ معارف کے اپنے ادارتی تجربے سے اس کے معیار کو اونچا کر کے معارف بنا دینگے، لیکن اس میں ان کو مایوسی ہوئی، ندیم کا ایک بہار نمبر تو اچھا نکالا، مگر اس کے بعد مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے تو پھر دارالمصنفین واپس آ گئے، یہ زمانہ ہندوستان کی سیاست میں بہت ہی پُر آشوب تھا، کانگریس اور مسلم لیگ کی کشمکش سے ہندوستان کی سیاست بہت ہی مکدر ہو رہی تھی، سید صاحب دارالمصنفین کو اس سیاسی الجھاؤ سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے، مگر ریاست علی صاحب کھل کر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے، جو سید صاحب کو پسند نہ آیا، ۱۹۵۰ء میں وہ دارالمصنفین کو چھوڑ کر شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہو گئے، تو وہاں نہ خود مطمئن رہ سکے، نہ وہاں طلبہ اور اساتذہ کو خوش رکھ سکے، اس لیے بہار عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ منتقل ہو گئے،

جہاں سے ریٹائر ہوئے تو انکو یونیورسٹی گرانٹ کمیشن سے کچھ تحقیقی کام کیلئے وظیفہ بھی ملا، مگر شاید مکمل نہ کر سکے انکا وطن آنگیلہ ضلع گیا تھا، وہیں زندگی کے آخری ایام گذار رہے تھے، سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے باوجود سیاست ان کیلئے سازگار نہیں ہوئی، وفات سے کچھ دنوں پہلے انکو موتیا بند ہو گیا تھا، اسلیے لکھنے پڑھنے سے مجبور ہو گئے، آپریشن کے بعد روشنی آ گئی تھی، میرا اصرار تھا کہ وہ دارالمصنفین آ کر تاریخ اندلس کی دوسری جلد مکمل کر دیں، اسکے لیے وہ رضامند بھی ہو گئے تھے، انکی آمد کا انتظار تھا، کہ یکایک انکی رحلت کی خبر ملی جس سے بڑا دکھ پہنچا، وفات کے وقت انکی عمر غالباً ۷۴ سال تھی،

ان کی اصل جگہ دارالمصنفین تھی، وہ ایک پرنسپل، ایک استاد اور ایک سیاست داں کی حیثیت سے تو بھلا دیے جائیں گے لیکن ایک اچھے مصنف کی حیثیت سے برابر یاد کیے جائیں گے، اگر انکی ساری عمر دارالمصنفین ہی میں گذرتی تو اپنے پیچھے مفید اور بلند پایہ تصانیف چھوڑ جاتے، انھوں نے پٹنہ میں ادارۃ المصنفین قائم کرنا چاہا لیکن ناکام رہے، وہ خود کہتے کہ دارالمصنفین چھوڑا تو علم کا لبادہ بھی خود بخود اتر گیا، دارالمصنفین کی تاریخ کا یہ پہلو عجیب ہے کہ یہاں رہ کر اچھے سے اچھے مصنف تیار ہوئے لیکن یہاں سے جانے کے بعد وہ علم و فن کے لیے کھو گئے، مرحوم دارالمصنفین چھوڑ رہے تھے تو سید صاحب کو دکھ تھا کہ ایک لائق، محنتی اور قابل قدر مصنف ان سے جدا ہو رہا ہے، اس تحریر کے لکھتے وقت یہ خیال آ رہا ہے کہ وہ یہاں آخر وقت تک رہتے تو دارالمصنفین کے علمی آسمان کے ایک اہم سیارہ اور ملک کے ایک قیمتی علمی سرمایہ بنکر رہتے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ان کو اپنی آغوش مغفرت میں لیکر ہر قسم کی رحمتوں اور برکتوں سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

مطبوعات جدیدہ

سیرت عائشہؓ (ملیالم):۔ مترجمہ جناب ایم۔ پی عبدالرحمٰن کرکل، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۳۷۶، قیمت عـ۱۲ؔ، پتہ: ہادی پبلیکیشنز منجیری کیرالا۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی مشہور ومقبول کتاب سیرت عائشہؓ کے متعدد اڈیشن دار المصنفین سے چھپ چکے ہیں، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالاتِ زندگی، فضائل ومناقب، علمی ودینی کارناموں، فقہی اجتہادات اور صنف نسوانی پر انکے احسانات وغیرہ کے متعلق اردو کیا دوسری زبانوں میں بھی اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی ہے، اب جناب ایم۔ پی عبدالرحمٰن کرکل صاحب نے جنوبی ہند کی ایک مشہور زبان ملیالم میں اسکا ترجمہ شائع کیا ہے، راقم کو اس زبان سے واقفیت نہیں ہے، مگر لائق مترجم نے ترجمہ کے دوران دار المصنفین کے ذمہ داروں کو جو خطوط لکھے اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ترجمہ کا کام بڑے شوق، دلچسپی، محنت اور توجہ سے انجام دیا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس علمی ودینی خدمت کا انکو اجر عطا فرمائے، ملیالم جاننے والوں کے لیے اس ترجمہ کی اشاعت بہت ہی مفید ہے، امید ہے کہ اردو ہی کی طرح ملیالم میں بھی یہ کتاب مقبول ہوگی۔

ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر:۔ مرتبہ ڈاکٹر محمد عمر صاحب، تقطیع خورد، کاغذ بہتر، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۵۵۸، قیمت عـ۲ؔ، ناشر: وزارت

اطلاعات ونشریات حکومت ہند، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی۔

زیر نظر کتاب میں ہندوستان کے عہد وسطیٰ کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب، معاشرت، عادات واطوار، رسم ورواج، رہن سہن اور خیالات وغیرہ کا تقابلی مطالعہ کرکے مسلمانوں پر ہندوستانی تہذیب کے اثرات دکھائے گئے ہیں، پہلے ہندو مسلم تعلقات اور دونوں قوموں میں محبت ویگانگت کے اسباب کے ضمن میں مسلم سلاطین کی رواداری، ہندو مذہب کے بارہ میں نیک خیالات اور صوفیوں اور سادھو سنتوں کے رویے کا ذکر ہے، پھر قدیم ہندوستان کی ذات پات کے نظام، اسکے متعلق اسلام کا نظریہ، مسلمانوں میں اس کے رجحانات اور انکی مختلف سماجی اور پیشہ ورانہ ذاتوں کو بیان کرکے دونوں قوموں کی ذات پات کے نظام میں مماثلت دکھائی گئی ہے، ایک باب میں شادی بیاہ اور پیدائش سے وفات تک کی ان گوناگوں رسموں کا ذکر ہے، جن کو ہندوؤں کی طرح مسلمان بھی اختیار کیے ہوئے ہیں، چوتھے باب میں ہندو تہواروں میں مسلمانوں کے حصہ لینے، پانچویں میں کھیل تماشے اور تفریحی مشاغل میں ان کی دلچسپی اور چھٹے میں اس زمانہ کی ہندوستانی سواریوں سے مسلمانوں کے شغف کا حال تحریر کیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں کائنات کے بارہ میں ہندوؤں کے عقائد بیان کرکے ثابت کیا گیا ہے کہ ان کی طرح مسلمان بھی بعض توہمات نجوم، سحر، ٹونا ٹوٹکا، تعویذ، گنڈہ اور ارواح خبیثہ پر اعتقاد رکھتے ہیں، آٹھویں باب میں تصوف پر ہندوستانی اثرات بیان کرتے ہوئے اسلامی تصوف اور ہندوؤں کے صوفیانہ خیالات میں مشابہت کے پہلوؤں کا ذکر ہے، نویں باب میں ہندوستانی موسیقی، سنگیت اور راگوں سے مسلمان امرار، عوام اور صوفیہ کی دلچسپی دکھائی گئی ہے اور آخری باب میں اردو ادب پر ہندوستانی اثرات کا ذکر ہے، اس طرح یہ کتاب پر از معلومات ہے،

ہندوستان کی ملی جلی تہذیب کے سلسلہ میں ایک بحث یہ اٹھ کھڑی ہوئی ہے کہ اس میں زیادہ تر

خارجی وحدت ہے، جو تہذیب کا جز نہیں بن سکتی، تہذیب داخلی وحدت سے بنتی ہے، مصنف کی اس کتاب میں اس بحث پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، اگر مدلل بحث سے اس کی تنقیح ہو جاتی تو ان کے قارئین کا ذہن صاف ہو جاتا، ڈاکٹر امبیدکار نے بھی یہ بحث اٹھائی تھی کہ جو ہندو اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے، ان میں تبلیغ اچھی طرح نہیں کی گئی، عالموں اور مبلغوں نے بہت سے اسباب کی بنا پر ان میں اسلام کا صحیح پیام نہیں پہنچایا، اس لیے ان مسلمانوں میں ہندوؤں کے بہت سے رسم و رواج پہلے کی طرح باقی رہ گئے، اسی طرح یہ محض میکانکی اسباب کی بنا پر مسلمانوں میں ابتک جاری ہیں، یہ معاشرتی یا تہذیبی یگانگت کی خاطر اختیار نہیں کیے گئے، ڈاکٹر امبیدکار کے اس دعویٰ پر بھی بحث کرنا ضروری تھا، تاکہ یہ اندازہ ہو جاتا کہ انکا یہ دعویٰ کرنا صحیح ہے یا غلط، تصوف پر ہندوستانی اثرات دکھاتے وقت اس کا ذکر بھی آنا چاہیے تھا کہ صوفیائے کرام میں تین قسمیں تھیں، صاحب وصول، صاحب اصول، صاحب فضول، ان میں سے کس نے ہندوستانی اثرات قبول اور کس نے رد کیے، مسلمانوں پر بت پرستی کا الزام عائد کرنا صحیح نہیں ہے، رہی گور پرستی تو اس میں مسلمانوں کا جو طبقہ ملوث ہے وہ اس کو پرستش نہیں سمجھتا، ایک جگہ لکھتے ہیں "مسلم عوام خصوصاً سلاطین نے ہندوؤں کے ساتھ نرمی اور مذہبی رواداری کا طرز عمل اختیار کیا اور تبلیغ اسلام کو اپنا لائحہ عمل نہیں بنایا،" (ص ۱۵) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تبلیغ و اشاعت اسلام نرمی و رواداری کے منافی ہے، آگے اس سلسلہ میں جو کچھ مزید لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ گذشتہ عہد میں مسلمانوں کے لیے تبلیغ کا فریضہ بعض حیثیتوں سے مضر ہوتا،

یہ مفید کتاب زبان و بیان کی جا بجا خامیوں سے داغدار ہو گئی ہے، جیسے "انھوں نے بہت سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف رجوع کیا" (۸)، "مسجدیں تعمیر کروائیں" (ص ۹) اسی

فن کی تربیت دلوانے لگے (ص ۸۹)، ایسا نازک اور کپڑے تیار کرتے تھے (ص ۵۰)، ہزاروں روپیے صرف ہوتا تھا (ص ۱۸۰)، اشرافِ شہر کی یہ موروثی رسم ہے کہ بغیر منجم سے دریافت کیے بغیر کوئی کارِ خیر کوئی معاملۂ خواستگاری بغیر منجم کے استصواب رائے کے نہیں ہوتا (ص ۲۰۵)، عورتوں میں بدشگونی کے اعتبار سے ساری رات نیند نہیں آتی اور اس قسم کی شادی کو بہت بڑا منحوس خیال کرتی ہیں (ص ۲۶۴)، صرف ایک دو واقعات سے عام مسلمانوں میں بت پرستی کے رجحان کے لیے دلیل نہیں بن سکتے (ص ۲۹۰)، اور قسم قسم کے امراض اور بلاؤں سے مدافع کے لیے تعویذیں پہنائی جاتی تھیں (ص ۲۴۸)، تذکیر و تانیث کی بعض غلطیاں بھی ہیں، مثلاً "ہندوؤں کے قدیم طبقاتی تقسیم (۸۹)، ان کے سیاسی اور سماجی تنظیم (ص ۸۰)، اسلام کے توسیع (ص ۸۴)، اسلام کے مساوات اور عالمگیر اخوت کے نظریے (۸۵)، مہاجرین کی مختلف نسلی گروہوں میں (۸۶)، جمع کے استعمال میں بھی بے احتیاطی کی گئی ہے جیسے ازوال ۵۸ علم نجوم و ہیات (ص ۲۵۲)، رسوم و رواجوں (ص ۴۹۵)، ماخذات (۵۲۸)، زہاد (۲۲۹) اکابروں (۲۵۱) وغیرہ، ہندی الفاظ کا بلاضرورت استعمال بھی ذوق پر گراں گذرتا ہے. جیسے انیک، ورن، چندا و چندؤ وغیرہ، املا اور کتابت کی بے شمار غلطیاں ہیں، مثلاً حذف کو ہذف اور تعویذ کو ہر جگہ تو نیر لکھا گیا ہے، البیرونی کی کتاب الہند (عربی) کا فارسی کتابوں کے ضمن میں ذکر ہے، اور تقویۃ الایمان کے اردو ترجمہ کا حوالہ دیا گیا ہے، حالانکہ یہ تو اردو ہی میں لکھی گئی تھی

انسانی حقوق کیا ہیں؟ :- مترجم جناب جلیس عابدی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۲۵۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت مجلد عہ/ غیر مجلد للعہ/، پتہ: نیشنل اکاڈمی، ۱۹ انصاری مارکیٹ، دریا گنج، دہلی.

یہ لندن کے موریس کرانسٹن کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے، اس میں انسان کے بنیادی حقوق کی تشریح کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں گذشتہ چار پانچ صدیوں سے ابتک کے مغربی مفکرین کے خیالات کا ماحصل پیش کیا گیا ہے، مصنف نے انسانی حقوق، کا منشا و مفہوم متعین کرکے زندگی، آزادی، ملکیت اور معاشی وسماجی حقوق پر سیر حاصل بحث کی ہے، انکے خیال میں نظری طور پر تمام حکومتیں ان حقوق کو تسلیم کرتی ہیں، مگر عملاً وہ ان میں پہلوتہی سے کام لے رہی ہیں، اس ضمن میں انسانی حقوق کے مستقبل پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، آخر میں تین ضمیمے ہیں، ان میں انسانی حقوق کے عالمی منشور، اقوام متحدہ کے معاشی، سماجی، تہذیبی، شہری اور سیاسی حقوق کے میثاق اور انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کے تحفظ کے لیے یورپین کونشن کی دفعات اور تجویزوں کا ذکر ہے، مصنف کو اعتراف ہے کہ انسانی حقوق کا تصور یورپ کے روشن خیال دور کی دین نہیں ہے، بلکہ قدیم یونان میں بھی نظری حقوق کا یہ تصور موجود تھا، مگر انھوں نے اسلام کے عطا کردہ حقوق کو قصداً یا بالکل نظرانداز کردیا ہے، یورپ کے مصنفوں کا یہ عام رنگ ہوگیا ہے کہ وہ اسلام کی کسی قسم کی خوبیوں کا ذکر کرنا کسی لحاظ سے پسند نہیں کرتے جو ان کے علمی اور ذہنی تعصب کی دلیل ہے، مترجم کا ترجمہ سلیس ہے،

اوپر کی دنیا:- از جناب عبدالکریم حنا پاریکھ، تقطیع خورد، کاغذ اچھا خوبصورت ٹائپ، صفحات ۹۲، قیمت تحریر نہیں، ناشر: مکتبہ جامعۃ الصالحات، مالیگاؤں، ناسک مہاراشٹر

زیرنظر کتاب میں آسمان سے متعلق قرآنی بیانات کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کیا گیا ہے، تاکہ اسکی کاریگری میں غور و فکر سے کائنات کے خالق کا علم ہوسکے، مصنف نے سائنس والوں اور ٹکنالوجی کے ماہرین کو بھی دعوت دی ہے کہ وہ اپنے علم و مشاہدے کی روشنی میں ان آیتوں کی مدد سے صحیح نتیجہ تک پہنچیں، مصنف دین و مذہب کی خدمت کا سچا ولولہ رکھتے ہیں، یہ کتاب اسی جذبہ سے لکھی گئی ہے۔

"ض"

شاہ صاحب کی تصنیفات

معارف کے علمی، تحقیقی و ادبی و تنقیدی و تاریخی مضامین اور شذرات کے ہزاروں صفحوں کے علاوہ جو مطالعہ و بصیرت تجربہ و مشاہدہ اور فکر و نظر کے آئینہ دار ہیں، شاہ صاحب کی مستقل تصنیفات و تراجم کی تعداد ایک درجن سے زیادہ ہے۔

۱- مہاجرین جلد دوم قیمت: ۹-۱۳

۲- سیر الصحابہ جلد ۶ " ۴-۹

امام حسین کے حالاتِ زندگی کے ضمن میں واقعۂ کربلا کی غم انگیز تفصیل،

۳- سیر الصحابہ جلد ۷،

۴- تابعین: ۶۹ اکابر تابعین کے سوانح، قیمت: ۵۰-۱۲

۵- تاریخ اسلام اول (عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ) قیمت: ۵۰-۱۲

۶- تاریخ اسلام دوم (خلافتِ بنی امیہ) ۰۰-۱۱

۷- تاریخ اسلام سوم (خلافتِ عباسیہ اول) قیمت: ۰۰-۱۴

۸- تاریخ اسلام چہارم (خلافتِ عباسیہ دوم) قیمت: ۰۰-۱۵

۹- اسلام اور عربی تمدن قیمت ۰۰-۱۵

۱۰- عرب کی موجودہ حکومتیں، قیمت

۱۱- ادبی نقوش (شائع کردہ فروغ اردو لکھنؤ)

۱۲- دینِ رحمت قیمت: ۰۰-۱۰

۱۳- خریطۂ جواہر ۷۵-۴

زندگی کی آخری کتاب

۱۴- حیاتِ سلیمان: یعنی جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے گوناگوں مذہبی، علمی، تعلیمی، قومی، ملی، سیاسی حالات و واقعات اور کارناموں کا دلآویز مرقع۔ اور اپنے اسلوب و طرزِ انشا اور تحقیق کے لحاظ سے حیاتِ شبلی کا مثنی، دلکش، دلچسپ، قابلِ مطالعہ اسمیں سید صاحب کے دور کی تمام تحریکوں کی مختصر تاریخ بھی آگئی ہے، قیمت: ۵۰-۲۷